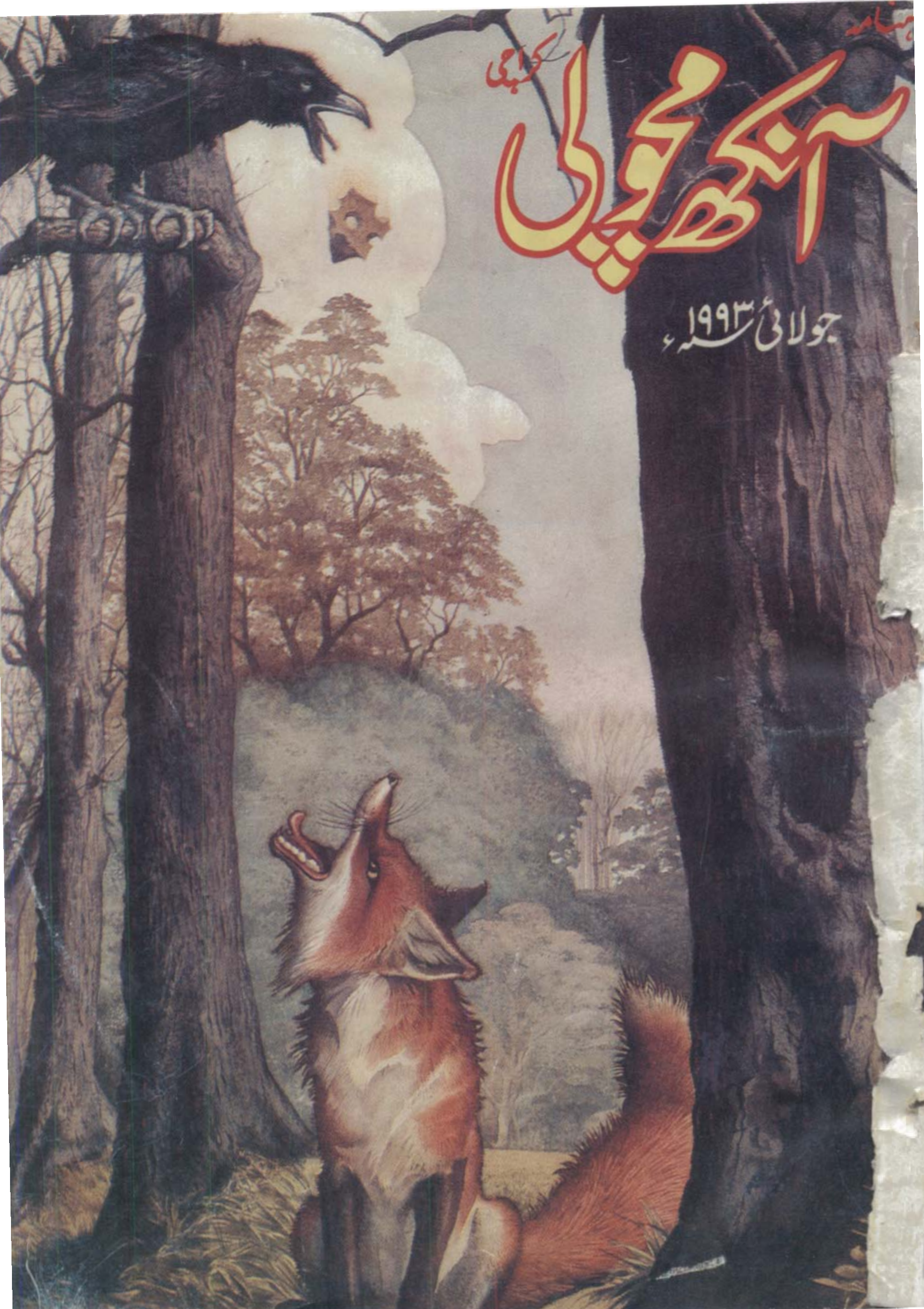
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
جولائی ۱۹۹۳ء

Perfect for any setting!
ROSE PETAL®
Paper Plates and Cups Strong and hygienic
Disposable and leak proof
A PRODUCT OF PACKAGES LTD.

چیری
بلاسم
لکوئیڈ وائٹ
دیرپا صاف شفاف سفیدی
کامیاب کھلاڑیوں کا انتخاب
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
WITH APPL
اسکول ہو یا کھیل کا میدان اُجلے سفید جوتے
آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں
نہ اترنے والی چیری بلاسم لکوئیڈ وہائٹ پالش
سے اپنے جوتے، کرکٹ پیڈ وغیرہ
چمکدار اور اُجلے رکھیے
یہ پالش اپنی سفیدی اور چمک کو
برقرار رکھتی ہے
میدان میں آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتی ہے۔
چیری بلاسم
لکوئیڈ وائٹ
manhattan PAKISTAN

قدرتی موئسچرائزر
Aloe Vera کے ساتھ
ایلوویرا
کیپری کا ملائم جھاگ نرمی سے آپ کی جلد کو صاف کرتا
ہے اور اس میں موجود خصوصی ایلوویرا موئسچرائزر جلد کی
قدرتی نمی کو محفوظ رکھتا ہے۔ ریگولر کے علاوہ تین حسین رنگوں
اور منفرد خوشبوؤں - Floral - Sandalwood
Gardenia - میں دستیاب۔ گھر کے ہر فرد کا انتخاب
جلد کی حفاظت، جلد کی نفاست
PRESTIGE

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۱
محرم/صفر ۱۴۱۴ھ جولائی ۱۹۹۳ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

مُدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ
منتظمِ اعلیٰ
تجمل حسین چشتی
منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی
مُدیرِ اعزازی
طاہر مسعود
مجلسِ ادارت
منیر احمد راشد ، محمد عمر احمد خان
نمائندہ امریکہ
عبدالرشید خان

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔
○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔
○ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ا۔پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ (۷۴۸۰۰) فون: ۴۱۱۵۸۷

ناشر: ظفر محمود شیخ ○ طابع: زاھد علی ○ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

قیمت ۱۰ روپے
۷ درہم ۷ ریال

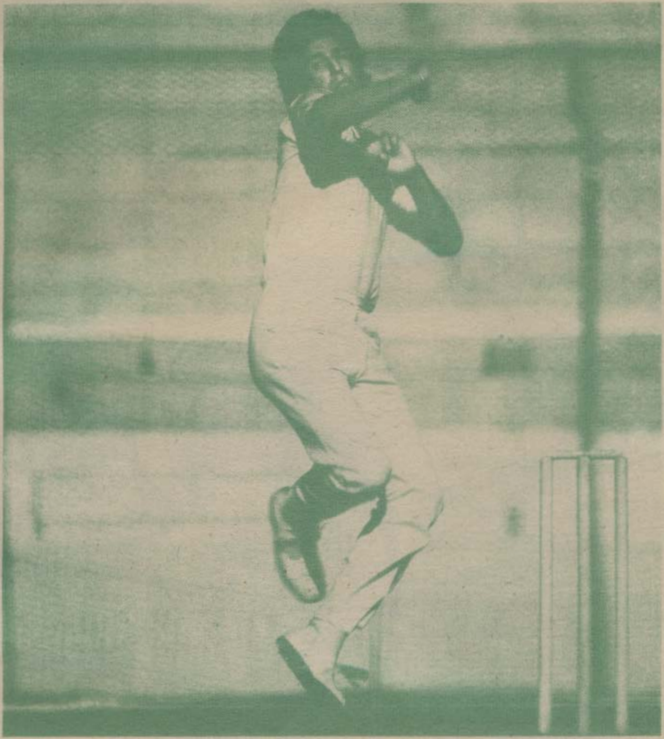

مہارت کی بلندی ۔ پی آئی اے کی جستجو
اب فضائی حدود سے بڑھ کر

ہماری خوب سے خوب تر کی جستجو ہماری فضائی کارکردگی کے شعبوں سے لے کر کھیلوں کی دنیا تک وسیع ہے۔
ہم کھلاڑیوں کو تربیت دیکر ان کو عالمی چیمپین بننے میں مدد کرتے ہیں۔ اندرون ملک ہم ایسے ٹورنامنٹ کا انعقاد کرتے ہیں، جہاں
وہ اپنی مہارت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں اور دنیا بھر میں ہر اس مقام تک پہنچاتے ہیں جہاں کھیلوں کے مقابلے منعقد ہو رہے ہوں۔

PIA پی آئی اے
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ۔ لاجواب پرواز

PID ISLAMABAD

IAL-PIA-32-89

حسنِ ترتیب

عنوان	مصنف	صفحہ
تاریخ کے دریچے سے	ادارہ	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
نعت (نظم)	مراد علی ہاشمی	۱۰
ایک خوش نصیب صحابی	زبیر طارق	۱۱
برف جس سے جہاز بھی بن سکتا ہے	شیخ عبدالحمید عابد	۱۷
میں خوش رہوں گا	منیر احمد راشد	۲۰
سیدھا کھڑا ہونا شروع کیجیے	حماد خالد فیاضی	۲۷
نیا سال آیا (نظم)	ضیغم حمیدی	۳۰
اسرائیل کیا ہے، کیا چاہتا ہے	سہیل احمد صدیقی	۳۱
درحیرت	ایاز محمود	۳۵
ایک میچ میں دس کیچ	سلیم خالق	۳۹
لالچ کا انعام	نجمہ خان	۴۴
انکساری (نظم)	فضل ربی راہی	۴۸
ٹماٹر پھل ہے یا سبزی	نگہت آرا چوہان	۴۹
نارسی سس	عابد سلطان	۵۱
بولتی میت	پروفیسر عنایت علی خان	۵۶
(نظم) ایک رات کی بات	نیر ندیم	۶۱
بڑا کام	شگفتہ شمیم	۶۲
(نظم) شکاری اور درندہ	عبدالقادر	۶۸
گلگلے	لطائف	۶۹
دیس دیس کے توتے	عطیہ اقبال زیدی	۷۵
انسان کا دشمن نمبر ا	عبدالستار طاہر	۸۰
بوجھو تو جانیں	ادارہ	۸۴
سیاچن گلیشیئر	اسد علی خان	۸۸
بخدمت جناب	خطوں کے جواب	۹۳
بلیک کیٹ	محمد عمر احمد خان	۹۷
امتحان ہے آپ کی ذہانت کا	ادارہ	۱۰۳
(نظم) غرور کا انجام	عطا عابدی	۱۰۷
بچاؤ	اشتیاق احمد	۱۰۸
قلم قتلے	ننھی تحریریں	۱۱۵

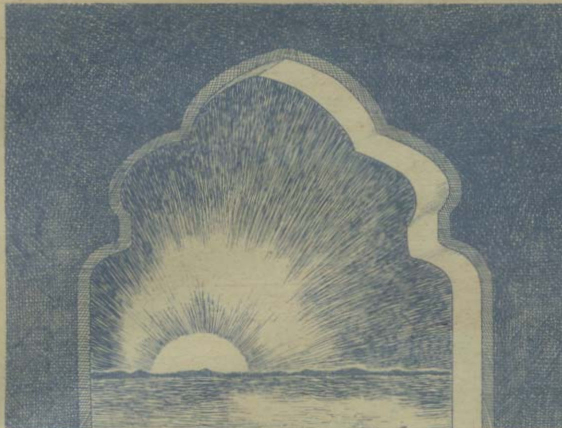

تاریخ کے دریچے سے

مُغل بادشاہ ہمایوں اور شیر خان کے درمیان جنگ ہوئی۔ شیر خان کی فتح ہوئی، اس نے ہمایوں کا پیچھا کیا۔ ہمایوں کو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ راستے میں ایک دریا حائل تھا۔ دریا کا پُل توڑ دیا گیا تھا۔ دشمن پیچھا کر رہا تھا۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ گھوڑا اور سوار دونوں موجوں کے تھپیڑوں کی تاب نہ لا کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ ہمایوں زرہ بکتر پہنے ہوئے تھا، اس کے لئے تیرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈوب جاتا، ایک سقہ ہمایوں کی مدد کو پہنچا، اس نے اپنی مشک میں ہوا بھری اور ڈوبتے ہوئے بادشاہ کو مشک پر بٹھا کر کنارے پر لے آیا۔

ہمایوں نے کنارے پر پہنچ کر سقّے سے اس کا نام پوچھا سقّے نے کہا "میرا نام نظام ہے"

ہمایوں نے کہا "تم نے آج میری جان بچائی ہے جب میں اپنا تخت دوبارہ حاصل کر لوں گا تو تمہیں آدھے دن کی بادشاہت بخشوں گا۔"

کچھ عرصے بعد ہمایوں پھر برسرِ اقتدار آیا تو نظام سقہ اس کے پاس پہنچا۔ ہمایوں نے فوراً تخت سے نیچے اُتر کر نظام کو تخت پر بٹھا دیا۔ نظام نے آدھے دن کی بادشاہت کی۔ اس نے جو بھی حُکم دیا اس کی تعمیل کی گئی۔ نظام سقّہ نے ایک حُکم یہ بھی دیا کہ سلطنت میں اس کے نام کا سکّہ جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس کے نام کا سکّہ جاری کیا گیا۔ نظام سقّہ کے اس حُکم کی وجہ سے اس کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

اور جب وہ آدھے دن کی بادشاہت کے مزے لوٹ کر واپس جانے لگا تو ہمایوں نے اسے نہایت قیمتی تحائف دیئے۔

ماہِ رواں کی پہلی بات

اس دنیا میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو شکایتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو ہر حالت میں خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ شکایتیں کرتے ہیں وہ کبھی اپنے حالات سے مطمئن نہیں ہوتے۔ کبھی انہیں شکوہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس دولت نہیں ہے، کبھی انہیں رنج ہوتا ہے کہ خدا نے انہیں اچھی شکل و صورت نہیں دی۔ کبھی وہ سوچتے ہیں کہ انہیں مخلص دوست نہیں ملے اور کبھی انہیں خیال ہوتا ہے کہ ان کے والدین نے ان پر توجہ نہیں دی۔ غرضیکہ انہیں اپنے گھر سے، اپنے معاشرے سے، اپنے حالات سے اور حد تو یہ کہ اپنے آپ سے بھی کوئی نہ کوئی شکایت لاحق رہتی ہے۔ وہ اپنے ملنے والوں سے اپنی ان محرومیوں کا رونا روتے رہتے ہیں۔ کچھ سننے والے انہیں تسلی دیتے ہیں اور اکثر ان سے بیزار ہو جاتے ہیں بلکہ میل ملاقات سے بھی کترانے لگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی نگاہ ہر وقت اپنی محرومیوں پر رہتی ہے اور وہ زیادہ تر اسی حساب کتاب میں لگے رہتے ہیں کہ ان کے پاس کون کون سی چیزیں نہیں ہیں۔ خدا نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا ہوتا ہے، اس کی طرف ان کا دھیان مشکل ہی سے جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو زندگی میں کچھ مل بھی جائے تو ان کے دل میں کچھ اور نئی شکایتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ غالباً ایسے ہی لوگوں کو شیخ سعدیؒ نے نصیحت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا تھا جب میرے پاس جوتے نہیں تھے۔ میں ہر وقت اس بات کی شکایت کیا کرتا تھا لیکن ایک دن میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی دونوں ٹانگیں نہیں تھیں۔ اس روز میری شکایت دور ہو گئی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کم از کم میری ٹانگیں تو سلامت ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو مت دیکھو جو تم سے بہتر حالت میں ہیں بلکہ انہیں دیکھو جو تم سے بُرے حالوں میں ہیں۔

اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جو خدا کے صابر و شاکر بندے ہوتے ہیں۔ خدا نے انہیں جو جو نعمتیں اور مسرتیں دی ہوتی ہیں وہ ان پر مطمئن ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے مستقبل کو بہتر بنانے اور ترقی کرنے کے لئے محنت اور جدوجہد سے بھی کام لیتے ہیں۔ انہیں کامیابی نصیب ہوتی ہے تو اسے خدا کا احسان سمجھتے ہیں اور ناکامی ہوتی ہے تو ہمت ہار بیٹھنے کے بجائے اور تندہی سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں جُت جاتے ہیں اور آخر کار اپنا مقصد پا لیتے ہیں۔ حالات اور لوگوں کی شکایتیں کرنا انہیں نہیں آتا بلکہ ان کے پاس ایسی فضول باتوں کے لئے وقت ہی کہاں ہوتا ہے۔ یہ عادتیں تو ناکام لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

اگر آپ شکر گزار بندے ہیں پھر تو یہ اچھی بات ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ تشویش کی بات ہے۔ اپنے آپ کو بدلنے کی فکر کیجئے۔ کیونکہ اسی طرح آپ معاشرے کے لئے اور اپنی ذات کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مراد علی ہاشمی

ہے نبیوں میں افضل مقام آپؐ کا
کلامِ خدا ہے، کلام آپؐ کا

گلوں سے مہکنے لگی شاخِ زیست
لیا جوں ہی پت جھڑ میں نام آپؐ کا

مقام آپؐ کا ہے بلند کس قدر
خدا خود کرے احترام آپؐ کا

کسی اور ہستی سے ممکن نہیں
نہایت درخشاں ہے کام آپؐ کا

اندھیرا جہالت کا تھا ہر طرف
کرن بن کے چمکا پیام آپؐ کا

بشر اور جِنّات کا ذکر کیا
پڑھا پتھروں نے سلام آپؐ کا

نظر ایک رحمت کی درکار ہے
ہے روضے پہ ادنیٰ غلام آپؐ کا

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا

ایک خوش نصیب صحابی

ترجمہ: زبیر طارق

ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو نہیں جانتا؟ ان بزرگ صحابی کا نام خالد زید بن کلیب تھا۔ ان کا تعلق بنی نجار سے تھا۔ ان کی کنیت ابو ایوب ہے اور وہ انصار میں سے تھے۔

اللہ نے مشرق و مغرب میں ان کی تعریف پھیلائی۔ تمام مسلمانوں میں ان کے گھر کو نبیؐ کی قیام گاہ کے لئے منتخب فرمایا اور اپنی مخلوق میں ان کو بلند کیا۔

نبی علیہ السلام جب مدینہ پہنچے تو یہاں کے باشندوں نے نہایت عزت و احترام سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے دل کی گہرائیوں سے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کی نگاہیں فرطِ شوق سے حبیبؐ کے آگے بچھی جارہی تھیں۔ انہوں نے اس مہمان کے قیام کے لئے اپنے دل کے کواڑ اور گھروں کے دروازے کھول دیئے۔

مدینہ آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن قبا میں ٹھہرے۔ قبا مدینہ کے قریب ایک بستی ہے۔ یہاں قیام کے دوران آپ نے وہ مسجد بنائی جسے قرآن مجید میں اَلْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی (وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی) کہا گیا ہے۔ حضورؐ ایک اونٹنی پر سوار ہو کر قبا سے روانہ ہوئے۔ یثرب کے رئیس آپ کے راستے میں کھڑے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر ٹھہریں اور آپؐ کو مہمان بنانے کا شرف اسے حاصل ہو۔ وہ ایک کے بعد ایک اونٹنی کے راستے میں کھڑے ہو کر عرض کرتے۔

"اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے ہاں ٹھہریں......"

آپ ان سے فرماتے! "اسے چھوڑ دو۔ یہ مامور (حکم دی ہوئی) ہے۔"

اونٹنی اپنی منزل کی جانب چلی جارہی تھی۔ آنکھیں اس کے تعاقب میں تھیں اور دلوں کو اس نے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ جس مکان سے اونٹنی رکے بغیر گزر جاتی، اس کے مکینوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ جدھر سے اونٹنی نے ابھی گزرنا ہوتا وہاں کے لوگوں کے دل میں امید کی کرن جگمگا رہی ہوتی۔

اونٹنی لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلی جارہی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ وہ اس خوش نصیب کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جسے نبی علیہ السلام کی میزبانی کا مرتبۂ بلند ملنے والا تھا۔ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے ایک خالی جگہ پر پہنچی اور بیٹھ گئی۔ مگر نبی علیہ السلام اس پر سے نہ اترے۔

اونٹنی جلدی سے کھڑی ہوئی اور دوبارہ چلنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ تھوڑی دور چل کر اونٹنی واپس پلٹی اور پہلی جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی خوشی کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے۔ انہیں خوش آمدید کہا اور آپ کا سامان دونوں ہاتھوں میں اس طرح تھاما گویا دنیا بھر کی دولت سمیٹ لی ہو اور آپ کو لے کر گھر کی جانب چل پڑے۔

حضرت ابو ایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے قیام کے لئے اوپر کے حصے سے اپنا سامان اٹھایا لیکن آپؐ نے نیچے رہنا پسند فرمایا۔

رات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ حضرت ابو ایوبؓ اپنی اہلیہ کے ہمراہ اوپر چلے گئے۔ ابھی انہوں نے دروازہ بھی نہ بھیڑا تھا کہ اچانک ابو ایوبؓ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا"تمہارا برا ہو! یہ ہم نے کیا کیا؟ رسول اللہ نیچے ہوں اور ہم ان سے اوپر؟ کیا ہم اللہ کے رسولؐ کے اوپر چلیں گے؟ کیا ہم نبی علیہ السلام اور وحی کے

درمیان ہوں گے؟" دونوں میاں بیوی حیران پریشان کھڑے رہ گئے۔ ندامت اور غم نے انہیں گھیر لیا۔ انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ کیا کریں۔ جب ان کی طبیعت میں تھوڑا سا ٹھہراؤ آیا تو وہ بالا خانے کے ایک جانب سمٹ آئے۔ یہاں سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل اوپر نہ تھے۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھ گئے۔ انہیں چلنا ہوتا تو کمرے کے درمیان چلنے کے بجائے کناروں پر چلتے۔ دونوں میاں بیوی کو اس حالت میں صبح ہو گئی۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ کے پاس آئے اور کہا اللہ کی قسم! میں نے اور ایوب کی ماں نے رات بھر پلک نہیں جھپکی۔"

"ابو ایوب! کیا ہوا؟" نبی علیہ السلام نے پوچھا۔

"مجھے خیال آیا کہ میں گھر کے اوپر ہوں اور آپ نیچے۔ میں حرکت کروں گا تو آپ پر گرد اور مٹی پڑے گی۔ پھر میں آپ کے اور وحی کے درمیان ہوں۔"

نبی علیہ السلام نے فرمایا "ابو ایوب! کچھ فکر نہ کرو۔ لوگ کثیر تعداد میں ہم سے ملنے آتے ہیں۔ ہمارے لئے نیچے رہنا ہی بہتر ہے۔"

ابو ایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لیا۔ اگلی رات سخت سردی تھی۔ ہم سے گھڑا ٹوٹ گیا اور پانی بہہ نکلا۔ میں اور اُم ایوب پانی کے آگے کھڑے ہو گئے۔ ہمیں ڈر تھا کہیں پانی رسول اللہ پہ نہ جا پڑے۔ ہمارے پاس ایک ہی چادر تھی جس سے ہم لحاف کا کام لیتے تھے، ہم نے اس سے پانی جذب کر لیا۔ صبح ہوئی، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے ہوں"۔ پھر میں نے انہیں گھڑے والی بات بتائی۔ چنانچہ آپ نے میری گزارش مان لی اور اوپر منتقل ہو گئے۔ میں اور اُم ایوب نیچے رہنے لگے۔

نبی علیہ السلام نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں تقریباً سات ماہ قیام کیا۔ اس دوران آپ نے اس خالی جگہ پر مسجد مکمل کر لی جہاں اونٹنی بیٹھی تھی۔ پھر آپ ان حجروں میں منتقل ہو گئے جو آپ نے اپنے اور اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے بنائے تھے۔ اس طرح رسول اللہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے پڑوسی بن گئے ...... اور یہ کیا ہی سخی ہمسائے تھے!

حضرت ابو ایوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ بھی انہیں انتہائی عزیز رکھتے۔ وہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی تکالیف کا ازالہ کرتے رہتے۔ آپ ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت گرم دوپہر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد سے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ ان پر پڑی تو

پوچھا! "ابو بکر آپ اس وقت باہر کیا کر رہے ہیں؟"

"بھوک نے سخت بے چین کر رکھا ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

"بخدا! میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔"

حضرت عمر نے ان کی بات سن کر فرمایا۔ یہ دونوں حضرات گفتگو کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور پوچھا "تم لوگ اس وقت باہر کیسے نکلے ہو؟"

"اللہ کے رسول! بھوک نے سخت بیتاب کر رکھا ہے۔"

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری بھی یہی حالت ہے چلو میرے ساتھ آؤ۔"

یہ حضرات روانہ ہوئے۔ حضرت ابو ایوبؓ کے گھر پہنچے۔ حضرت ابو ایوبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر روز کھانا رکھا کرتے تھے۔ اگر آپؐ کھانے کے وقت تشریف نہ لاتے تو وہ اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دیتے۔

ام ایوبؓ نے دروازہ کھولا اور کہا "خوش آمدید! اللہ کے نبی اور آپ کے ساتھیو!"

"ایوب کے والد کہاں ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ حضرت ابو ایوبؓ نے نبی علیہ اسلام کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی کھجور کے درخت پر کچھ کام کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے آئے اور رسول اللہ اور آپ کے ساتھیوں کو مرحبا کہا۔ پھر فرمایا! "اللہ کے رسول! خیریت؟ آپ اس وقت عموماً تشریف نہیں لایا کرتے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے سچ کہا۔" پھر ابو ایوبؓ کھجور کے درخت کی جانب گئے اور ایک گچھا توڑا جس میں خشک تازہ پکی ہوئی اور کچی کھجوریں تھیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا "میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے توڑا جائے۔ کیا تم یہ ہمارے لئے لائے ہو؟"

"اللہ کے رسول! مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اس میں سے کھجوریں کھائیں۔ میں آپ کے لئے جانور بھی ذبح کرتا ہوں۔"

"کسی دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کرنا۔" اللہ کے رسولؐ نے انہیں ہدایت فرمائی

حضرت ابو ایوبؓ نے ایک بکری ذبح کی اور اپنی اہلیہ سے کہا "تم آٹا گوندھو اور ہمارے لئے روٹی پکاؤ۔ تم روٹی پکانا بہتر جانتی ہو۔" پھر خود نصف بکری لے کر اسے پکایا اور باقی آدھی کو بھونا۔ کھانا پک گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے آگے رکھ دیا گیا۔ آپؐ نے بکری کا ایک ٹکڑا لیا، اسے روٹی پر رکھا اور فرمایا:

"ابو ایوب! جلدی کرو، اسے فاطمہ کو دے آؤ۔ اس کی کئی دنوں سے یہی حالت ہے (کچھ نہیں کھایا)۔"

جب سب حضرات سیر ہو کر کھا چکے تو نبی علیہ اسلام نے فرمایا:

"روٹی، گوشت، کھجور!!" یہ کہہ کر آپ

کی آنکھیں بھر آئیں۔ پھر فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب یہ تمہارے پاس آئیں اور تم کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ اور جب سیر ہو چکو تو اللہ کا شکر ادا کرو، جو ہمیں کھلاتا ہے اور وافر مقدار میں نعمتیں عطا کرتا ہے۔"

اس کے بعد نبی علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو ایوبؓ سے فرمایا "کل ہمارے پاس آنا۔" نبی علیہ اسلام کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ کسی کا احسان نہیں لیتے تھے اور اگر کوئی احسان کرتا تو اس کا بدلہ اتار دیتے۔ لیکن ابو ایوبؓ نے ان کی بات نہیں سنی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابو ایوب! رسول اللہ آپ کو کل آنے کو کہہ رہے ہیں۔" یہ سن کر انہوں نے کہا "اللہ کے رسول کا حکم سر آنکھوں پر۔"

دوسرے دن ابو ایوبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں ایک چھوٹی لڑکی دی جو آپ کی خدمت کیا کیا کرتی تھی اور فرمایا "ابو ایوب! اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ جب تک یہ ہمارے پاس رہی ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔"

ابو ایوبؓ اس لڑکی کو لے کر گھر آ گئے۔ اُمِ ایوب نے دیکھا تو پوچھا "ابو ایوب! یہ کس کے"

"ہمارے لئے...... اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے۔"

"عطا کرنے والا کتنا عظیم ہے اور اس کا یہ عطیہ کتنا معزز اور قابلِ قدر ہے۔"

"انہوں نے ہمیں اس سے بھلائی کی وصیت کی ہے۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا کرنے کے لئے ہم کیا کریں؟"

"بخدا اس سے بہتر ان کی وصیت پوری نہیں ہو سکتی کہ ہم اسے آزاد کر دیں۔" ابو ایوبؓ نے رائے دی۔ "اللہ نے آپ کو درست فیصلہ کرنے کی توفیق بخشی ہے۔" اُمِ ایوبؓ نے ان کی تائید کی اور اسے آزاد کر دیا۔

یہ زمانۂ امن میں حضرت ابو ایوبؓ کی زندگی کی جھلکیاں تھیں۔ اگر آپ زمانۂ جنگ کی جھلکیاں دیکھ پائیں تو حیران رہ جائیں۔

حضرت ابو ایوبؓ نے اپنی طویل عمر غازی کے طور پر میدان جنگ میں بسر کی۔ ان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے حضرت معاویہ کے دور تک ایسی کوئی جنگ نہیں جس میں انہوں نے حصہ نہ لیا ہو، سوائے ایسی لڑائی کے کہ وہ اس دوران کسی اور محاذ پر مصروف تھے۔

ان کا آخری معرکہ وہ تھا جب حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے یزید کی قیادت میں لشکر تیار کیا۔ حضرت ابو ایوبؓ اس وقت تقریباً اسی برس کے عمر رسیدہ بزرگ

تھے۔ اس کے باوجود وہ یزید کی قیادت تلے شامل ہوئے اور اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے سمندر کی موجیں چیریں۔

مسلمان فوج بھی دشمن کی منازل سے دور، سمندر کے سینے پر سفر کر رہی تھی کہ ابو ایوبؓ بیمار پڑ گئے اور لڑنے کے قابل نہ رہے۔ یزید ان کی مزاج پرسی کرنے آیا اور پوچھا "ابو ایوبؓ! آپ کی کوئی خواہش؟"

"مسلمان فوج کو میرا سلام کہو اور یہ پیغام دو کہ ابو ایوب نے تمہیں وصیت کی ہے کہ دشمن کے ملک میں دور تک گھس جاؤ۔ اسے (ابو ایوب) اپنے ساتھ لے جانا اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جاکر دفن کرنا۔" حضرت ابو ایوبؓ نے وصیت کی اور ان کی روح اپنے رب کی جانب پرواز کر گئی۔

مسلمان فوج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان محترم ساتھی کی وصیت کا احترام کیا اور دشمن پر پے در پے حملے کر کے قسطنطنیہ کی فصیل تلے پہنچ گئی۔ یہاں انہوں نے حضرت ابو ایوبؓ کے لئے قبر کھودی اور انہیں دفن کیا۔ ■

آنکھ مچولی کے ساتھیوں کیلئے مقابلۂ مصوری

آزادی کی تصویر بنائیے

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا پیارا ملک پاکستان آزاد ہوا۔ اس آزادی کی ہمیں بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ لاکھوں لوگ شہید ہوئے، سیکڑوں گھر جلے، آگ اور خون کا دریا عبور کرنا پڑا۔

لیکن شکر خدا کا ہم آزاد ہوئے۔

یہ آزادی جس جدوجہد اور قربانیوں کے بعد ملی اس کے پس منظر میں موضوع ہے

"آزادی"

پہلا انعام: ایک سال کیلئے آنکھ مچولی مفت | دوسرا انعام: چھ مہینے کیلئے آنکھ مچولی مفت | تیسرا انعام: تین مہینے کیلئے آنکھ مچولی مفت

مقابلے میں شرکت کیلئے اس کوپن کو پُر کر کے بھیجئے

نام ________ کلاس ________

اسکول ________

پتا ________

مقابلہ میں شرکت کی آخری تاریخ ۱۰ جولائی ۱۹۹۳ء

ماہنامہ آنکھ مچولی ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی

برف جس سے جہاز بھی بن سکتا ہے

شیخ عبدالحمید عابد

آج ہم آپ کو برف کے متعلق ایسی عجیب باتیں بتائیں گے کہ آپ کو یقین نہ آئے گا اور آپ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ برف جو گرمیوں میں پانی ٹھنڈا کرنے کے کام آتی ہے وہ انسان کے لئے کتنی حیرت انگیز چیز ہے۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ برف شیشے کی طرح ٹوٹ جاتی ہے، چاہے اس پر آہستہ سے چوٹ کیوں نہ ماری جائے لیکن اس کے باوجود برف ربڑ کی طرح موڑی بھی جا سکتی ہے۔ یہ لوہے سے زیادہ سخت اور پتھر سے زیادہ مضبوط بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے لڑائی کے زمانے میں "ریت کی بوریوں" کا کام لے کر دشمن کی گولیوں اور گولہ باری سے محفوظ بھی رہا جا سکتا ہے۔ یہ سڑکیں بنانے، پُل بنانے، یہاں تک کہ سمندری جہاز بنانے میں استعمال کی جا سکتی ہے۔

آپ نے اسکیموؤں کے برف کے مکانات کے بارے میں ضرور سُنا ہو گا۔ برف سے اس سے بھی بڑھ کر کام لئے جا رہے ہیں۔ مکانات کے علاوہ دوسری بہت سی چیزیں بھی اس سے تعمیر کی گئی ہیں۔

صفر سے ۲۵ ڈگری فارن ہائیٹ کم پر برف اتنی طاقتور اور مضبوط ہو جاتی ہے جیسے لوہا اور پتھر۔ جب روس والے اور فن لینڈ والے آپس میں لڑ رہے تھے تو انہوں نے ریت کے بوروں کے بجائے دشمن کی گولہ باری سے حفاظت کے لئے برف کے تودے استعمال کئے تھے۔

برف کی مضبوطی کا اندازہ آپ اس بات سے آسانی کے ساتھ لگا سکتے ہیں کہ اگر بڑے

بڑے گولے جو ہوائی جہاز یا توپوں سے پھینکے جائیں وہ برف میں معمولی سا گڑھا پیدا کر سکیں گے۔ اگر گولے کا سائز دو گنا بھی کر دیا جائے تب بھی اس سے برف کے گڑھے میں تھوڑا سا اضافہ ہو گا۔

اس کی بڑی دلچسپ مثال دوسری جنگِ عظیم میں سامنے آئی۔ ہوا یوں کہ جب جرمنی نے مشہور شہر "لینن گراڈ" کا محاصرہ کیا تو پہلے انہوں نے یہاں کی رسد بند کر دی اور پھر حملہ کر دیا۔ لینن گراڈ دریائے نیوا کے دہانے پر بحرِ بالٹک کے ساحل پر واقع ہے۔ پہلے تو جرمنوں نے ہوشیاری سے سڑکیں، پل اور ریل کی پٹریاں کاٹ دیں جس سے شہر پانی میں ڈوب کر رہ گیا لیکن جب برف جمنے کا وقت آیا تو یہی پانی روسیوں کے لئے رحمت بن گیا۔ انہوں نے برف پر ریل کی سڑکیں بنانا شروع کر دیں اور آخر کار انہوں نے برف ہی کو موٹر کی سڑک کے طور پر استعمال کیا اور غذائی و جنگی سامان شہر کی امداد کے لئے پہنچایا۔ جرمنوں نے ان سڑکوں پر بھاری توپوں اور ہوائی جہازوں سے حملہ کر کے انہیں کاٹنے کی کوششیں کیں مگر ان کے گولے برف میں معمولی گڑھے ڈالنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے۔ اس طرح نہ تو وہ رسد کو بند کر سکے اور نہ برفانی راستے کو کاٹ سکے۔

شمالِ بعید میں بڑی بڑی سڑکیں نہیں ہیں کیوں کہ ان کا بنانا وہاں بے حد گراں پڑتا ہے لیکن قدرت نے برف کی سڑکیں تعمیر کر کے انسان کو ایک بہت بڑی مشکل سے نجات دی ہے۔ ایسی تمام سڑکیں آرکٹک اور الاسکا میں سرمائی سڑکوں کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ برف پہاڑی علاقوں میں چھوٹے موٹے گڑھے بھر دیتی ہے اور اس طرح اونچے نیچے میدانوں کو ہموار کر دیتی ہے جو سڑکوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

برف کا سب سے عجیب و غریب استعمال دوسری جنگِ عظیم میں ایک طیارہ بردار سمندری جہاز بنانے کے لئے کیا گیا تھا۔ یہ "اسکیمو لوگوں" کے اصولوں پر تیار کیا گیا تھا۔ اس ایک ہزار ٹن وزنی جہاز میں ایسے انجن لگے تھے جو اسے ساڑھے آٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلاتے تھے۔ ۱۹۴۳ء کے تمام موسم گرما میں یہ عجیب جہاز ساٹھ ڈگری درجۂ حرارت کے پانی میں پگھلے بغیر چلتا رہا۔

دیکھا آپ نے برف کتنی اہم چیز ہے! انسان نے اس سے کیسے عجیب عجیب کام لئے لیکن پھر بھی برف بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ ممکن ہے کہ صبح برف ایک ہوائی جہاز کا بوجھ سہار لے اور چند گھنٹوں کے بعد ایک ٹریکٹر کا بوجھ بھی نہ سہار سکے کیوں کہ سورج کی گرمی اس کو کمزور کر دیتی ہے۔

لیکن ایک وقت آئے گا کہ جب برف کو بہت سے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ اور ایسی جگہوں پر بھی پل اور سڑکیں تعمیر کی جا سکیں گی جہاں ابھی تک ان کی تعمیر ممکن نہیں ہوئی ہے۔

گوشت کھا کے جیتا ہوں
انسان نہیں اک چیتا ہوں

ان صاحب کا نام ٹم لی پرڈ ہے ۔ جب یہ چھوٹے تھے تو اسکول میں انکے دوست انہیں "چیتا" کہا کرتے تھے جس سے انہیں یقین آگیا کہ وہ واقعی ایک چیتا ہیں اور غلطی سے انسانی جسم میں پیدا ہوگئے ہیں ۔ پھر ایک دن انہوں نے اپنے جسم کو چیتے ہی کی طرح پینٹ کرانے کا فیصلہ کرلیا، اب ان دنوں مسٹر ٹم ایک جزیرے میں رہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ جانوروں کے درمیان رہ کر ان ہی کی طرح آزاد زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ۔ دیکھئے اس تصویر میں وہ چیتے کی طرح غرّانے اور آپ کو ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ کیا آپ کو ان سے ڈر لگ رہا ہے ؟

میں خوش ہوں گا

منیر احمد راشد

شارب میرا بھانجا ہے۔ عمر تو اس کی پندرہ سال ہے لیکن اگر آپ اس سے ملیں تو محسوس ہو گا کہ سطو کے زمانے کے کسی یونانی مُفکر سے مل رہے ں۔ اسلامیات، معاشیات، نفسیات، فلسفہ، ب، سیاسیات، کسی موضوع پر بھی بات کر لیجئے یسا فر فر بولتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ویسے اس کو الم بنانے میں سارا قصور میرا ہی ہے۔ میں موٹی وٹی کتابیں خریدتا رہتا ہوں کہ کبھی پڑھوں گا۔ شارب موقع ملتے ہی سب پڑھ ڈالتا ہے۔ اور پھر مجھ سے عجیب عجیب طرح کے سوال کرتا رہتا ہے۔ اس کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے مجبوراً مجھے بھی وہ سب کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں۔ یوں اگر دیکھا جائے تو میری تعلیم کا سارا کریڈٹ شارب کو جاتا ہے۔

عجیب و غریب سوال کرنے کی عادت اسے بہت بچپن سے ہے۔ جب تین سال کا تھا تو تب بھی

ایسے سوال کرتا تھا کہ جواب دینا مشکل ہو جائے۔ ہمارے ایک چچا پروفیسر ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے گھر تشریف لائے۔ سب گھر والے ان کے گرد جمع تھے۔ بڑے اور بچے سبھی۔ خوب مزے مزے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ بچے ان سے طرح طرح کی باتیں پوچھ رہے تھے۔ وہ بھی بڑی خوش دلی سے جواب دیتے جاتے۔ پھر خود بھی بچوں سے سوال کرتے۔ اب اسے ان کی بدنصیبی ہی کہئے کہ وہ شارب سے پوچھ بیٹھے۔ "بیٹا! آپ بڑے ہو کر کیا بنیں گے ؟" شارب نے کچھ دیر سوچا پھر بولا "ہم تو بڑے ہو کر نبی بنیں گے۔" پروفیسر صاحب کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں بالآخر بولے، "نہیں بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔"

"کیوں ...... کیا نبی بننا بڑی بات ہے ؟" شارب نے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں نہیں بڑی بات نہیں ہے، بس آپ نبی نہیں بن سکتے۔"

"کیوں؟ ہم کیوں نبی نہیں بن سکتے ...... ہم میں کیا کمی ہے آخر ...... نہیں بس ہم تو نبی بنیں گے۔" شارب نے اٹل فیصلہ سنا دیا اور سب لوگ اس کا منہ تکتے رہ گئے۔

ہمارے گھر کا ماحول ذرا مذہبی سا ہے۔ اور تھوڑا بہت روایتی بھی۔ ہمارے بھانجے بھتیجے اور بچیاں رات کو سونے سے پہلے ہماری امی سے کہانی ضرور سنتے ہیں۔ امی جان کبھی کبھار جن پریوں کی کہانیاں بھی سناتی ہیں مگر اکثر قرآنی قصے اور نبیوں، ولیوں کے واقعات کو کہانی کے انداز میں سناتی ہیں۔ اس طرح کھیل ہی کھیل میں ان کی ذہنی اور دینی تربیت ہو جاتی ہے۔ ایک دن رات کو انہوں نے حضرت موسیٰؑ کا کوہِ طور والا واقعہ بچوں کو سنایا کہ کس طرح حضرت موسیٰؑ کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ دکھایا۔ انہوں نے بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا ذرہ بھر نور کوہِ طور پر ڈالا تو پہاڑ جل کر سُرما بن گیا اور حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے۔ دوسرے بچے تو شاید اس واقعے پر حیران ہوئے ہوں گے مگر شارب صاحب کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ امی جان سے پوچھنے لگا۔

"نانی اماں! اللہ میاں نور ہیں ناں ؟"

"ہاں بیٹا! اللہ میاں بس نور ہی نور ہیں۔"

"اور نور ٹھنڈا ہوتا ہے ناں ...... جیسے چاندنی ؟"

"ہاں بیٹا۔"

"تو نانی اماں! اللہ میاں کے نور سے اتنا بڑا پہاڑ کیسے جل گیا ...... چاندنی سے تو چیزیں نہیں جلتیں ؟"

نانی اماں پریشان۔ بات کو ٹالنا چاہا مگر شارب صاحب کہاں پیچھا چھوڑنے والے تھے۔ ضد کرنے لگے کہ یا تو اللہ میاں کو آگ کا بناؤ یا پہاڑ کو سلامت رہنے دو۔ امی جان نے تھوڑی دیر تو سمجھانے کی کوشش کی مگر کوئی سائنٹفک جواب نہ دے سکیں۔ ڈانٹ کر چپ کرا دیا کہ ماموں آئیں

گے تو پوچھ لینا۔ میں رات کو دو بجے گھر واپس آیا تو شارب میرے کمرے میں میرے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ سارا قصّہ سُن کر کچھ دیر کے لئے میں بھی گھبرا گیا۔ پھر اللہ نے مدد کی۔ ایک ترکیب ذہن میں آہی گئی۔ میں نے اپنے کمرے کے تمام بلب اور ٹیوب لائٹیں جلا دیں۔ شارب کو تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگایا۔ پانچ منٹ کے بعد میں نے شارب میاں کو گود میں اُٹھایا اور ایک ٹیوب لائٹ کے قریب لے گیا۔ کہا "ذرا اسے چھوؤ۔" اس نے ٹیوب لائٹ کو ہاتھ لگایا اور تھوڑی دیر لگائے رکھا۔ میں نے پوچھا "کچھ ہوا۔" بولا "نہیں۔" تب میں اس کو بلب کے پاس لے گیا اور یہی عمل دہرایا۔ بلب کو ہاتھ لگاتے ہی اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔ جلدی سے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا "کیا ہوا؟" بولا "بہت گرم ہے ...... ہاتھ جل گیا۔" اب میں نے اسے آرام سے بستر پر بیٹھایا اور سمجھانے لگا۔

"دیکھو بیٹا، نور دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک جلالی نور ایک جمالی نور۔ اللہ میاں جب جلال میں ہوتے ہیں تو ان کا نور چیزوں کو جلا دیا کرتا ہے۔ اور جب جمال والی کیفیت میں ہوتے ہیں تو ٹھنڈک ہی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔ رحمت ہی رحمت۔ بالکل ایسے ہی جیسے یہ ٹیوب لائٹ اور بلب دونوں ہی روشنی دیتے ہیں مگر بلب ہاتھ کو جلاتا ہے اور ٹیوب لائٹ نہیں جلاتی۔ بات بچے کی سمجھ میں آگئی اور وہ اطمینان سے سو گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شارب کا مطالعہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ شخصیت پیچیدہ اور سوالات مشکل ہونے لگے ہیں۔ بچّوں کی تو خیر بات ہی کیا، گھر کے بڑے بھی اب اس سے کتراتے ہیں، خاص طور پر میری امّی تو اس کے سوالوں سے بہت گھبراتی ہیں۔ ویسے کبھی کبھی شارب بھی بڑے بے تکے سوال کرتا ہے۔ ایک دن امی جان سے پوچھنے لگا۔

"نانی اماں، میں کیوں پیدا ہوا تھا؟"

"اللہ نے ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے بیٹے!" امی جان نے جل کر کہا۔

گھر کے علاوہ اسکول میں بھی اس کا یہی حال ہے۔ کورس کی کتابیں تو وہ ایک دو مہینے میں ہی ختم کر لیتا ہے۔ امتحانوں میں جب وہ اپنے وسیع مطالعہ کی بنا پر سوالوں کے جواب لکھتا ہے تو ٹیچر اس کے نمبر کاٹ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ تو کتاب میں نہیں لکھا۔ ہم نے کہیں نہیں پڑھا۔ ضرور نقل کی ہوگی۔ شارب سے گفتگو کے بعد اب اکثر ٹیچر تو اس کے عالم فاضل ہونے کے قائل ہو چکے ہیں۔ چند ایک ہیں جنہیں بچّے کے سامنے اپنی کم علمی کے احساس سے چڑ ہوتی ہے۔ جب شارب کسی طے شدہ جواب کے بجائے یہ لکھ دیتا ہے کہ میرے خیال میں یہ بات یوں نہیں، یوں ہونی چاہئے تو مذکورہ ٹیچر اس کی خوب خبر لیتے ہیں۔

"میاں ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن تمہاری عمر ہے اور چلے ہو فلسفہ بگھارنے۔ چار کتابیں کیا پڑھ لیں

کہ خود کو بقراط سمجھنے لگے۔ خبردار جو آئندہ اپنے اعلیٰ خیالات پرچے میں لکھے۔"

شارب نے اس کا یہ حل نکالا کہ اب وہ "میرے خیال میں" کے بجائے یہ لکھ دیتا ہے کہ "افلاطون نے کہا ہے" اور اس کے بعد اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار...... اب مصروفیت کے اس زمانے میں بھلا اتنی فرصت کسے ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ افلاطون نے کیا کہا ہے اور کیا نہیں۔ لہٰذا شارب صاحب کے اچھے خاصے نمبر آجاتے ہیں۔

اس میں ایک اچھی عادت یہ ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ رسم ورواج کا بھی قائل نہیں۔ روایتی جملوں سے چڑتا ہے۔ ایک بار میں اسے اس کے ایک پسندیدہ مصنف سے ملوانے لے گیا۔ شارب نے ایک نظر انہیں دیکھا پھر مجھے۔ پھر سلام کرتے ہوئے مصافحہ کیا اور کہنے لگا۔

"آپ سے مل کر مایوسی ہوئی۔"

"کیوں بھئی؟"

"دراصل آپ ویسے نہیں ہیں جیسا میں نے سوچا تھا۔"

"اوہ ناٹی بوائے۔" مصنف صاحب نے جھینپتے ہوئے اس کا گال تھپتھپایا اور مجھ سے باتیں کرنے لگے۔

اکثر اس سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جن کو کرامات کہا جاسکتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر محلے کے کمزور عقیدہ لوگوں کو ان باتوں کا پتا چل جائے تو وہ شارب کو عقیدت کے مارے زندہ مزار میں گاڑ دیں۔ ایک دن گرمیوں کی تپتی دوپہر میں وہ اسکول سے واپس آیا۔ گھر میں گھستے ہی نعرہ لگایا، "چار بجے بارش ہوگی اپنا اپنا بندوبست کر لیجیے۔" سب لوگ حیران۔ جلتی دھوپ، بادل کا دور دور تک نام نہیں، بارش کیسے آئے گی؟ خود شارب نے چار بجے سے کچھ پہلے نیکر پہنا اور چھت پر چلا گیا کہ "ہم تو نہائیں گے۔" اس وقت سب لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اچانک چاروں طرف سے گہرے بادل اُٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سیاہ ہو گیا۔ مُوسلا دھار بارش ہونے لگی۔ امی جان نے گھڑی میں وقت دیکھا، چار بج رہے تھے۔

یوں ہی ایک مرتبہ شام کے وقت امّی جان صحن میں بیٹھی چاول صاف کر رہی تھیں۔ شارب بھی پاس ہی بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ صحن میں لگے درختوں پر مختلف پرندے چہچہا رہے تھے کچھ چڑیاں امّی کے قریب ہی پُھدک رہی تھیں۔ شاید چاولوں کا انتظار تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے کام میں مگن تھے یعنی امّی چاول چُننے میں، شارب پڑھنے میں اور چڑیاں چاولوں کی تاک میں۔ ایک چڑیا کچھ زیادہ ہی شور مچا رہی تھی۔ شارب نے کتاب سے سر اُٹھایا اور بولا۔

"کیسے شور مچا رہی ہے۔ جیسے بچّہ گُم ہو گیا ہے۔"

پھر اس نے چونک کر دیکھا تو واقعی چڑیا کا ایک بچّہ درخت کے نیچے پڑا تھا۔ وہ دوڑ کر گیا، بچّے کو اٹھایا اور اطمینان سے گھونسلے میں رکھ دیا۔ پھر

چوں چوں کرتی چڑیا سے کہنے لگا،

"نہیں نہیں شکریئے کی کیا بات ...... یہ تو میرا فرض تھا۔" جیسے چڑیا کی بولی واقعی اس کی سمجھ میں آ رہی ہو۔

امی جان کچھ خوف اور کچھ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"شارب میاں! کیا تمہیں جانوروں کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں؟"

"ہاں نانی اماں بالکل ایسے ہی جیسے آپ کی۔"

"تو کیا میں جانور ہوں؟"

"ارے نہیں ...... وہ ...... میرا مطلب ہے کہ کبھی کبھی ......" شارب گڑبڑا گیا اور کتاب اٹھا کر وہاں سے کھسک لیا۔

پچھلے ایک ماہ سے شارب کی طبیعت میں ایک عجیب انقلاب آیا ہوا ہے۔ اس کی حالت بالکل مجذوبوں جیسی ہے۔ باتیں یا تو بے تکی ہیں یا ہماری سمجھ سے بالا۔ امی جان کا خیال ہے کہ یا تو پڑھ پڑھ کر اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا اس پر کسی بدروح کا اثر ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے بھی احساس ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھسک گیا ہے۔ دو ہفتے پہلے کی بات ہے کہ میں کمرے میں بیٹھا تھیسس کی تیاری کر رہا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا

"ماما جانی ...... میں خوش کیوں رہوں؟"

"کوئی ضرورت نہیں خوش رہنے کی ...... تم اُداس رہا کرو۔" میں نے کہا

"لیکن میں اُداس کیوں رہوں؟"

"اچھا چلو بیزار رہو؟"

"آخر کیوں! میں بیزار بھی کیوں رہوں؟" اس نے بڑے کرب سے کہا۔

اب میں چونکا۔ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں تھا جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ میں نے سنجیدگی سے اسے دیکھا کتاب کو ایک جانب رکھا اور پیار سے پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"پتا نہیں۔"

"تم کیسا محسوس کرتے ہو خود کو؟"

"میں ...... مجھے لگتا ہے جیسے میں ایک غُبارہ ہوں جس میں خلا بھری ہوئی ہے اور میں نیچے کی طرف اُڑ رہا ہوں۔" میں نے دل میں سوچا "یہ تو انشائیہ نگار بنتا جا رہا ہے" لیکن درمیان میں نہیں بولا۔ شارب دس منٹ تک ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا پھر رونے لگا۔ بولا۔ "ماما جانی میں خوش رہنا چاہتا ہوں لیکن میں کیسے خوش رہوں۔"

میں نے پیار سے اس کا سر اپنی گود میں رکھا اور ہولے ہولے تھپکتے ہوئے اسے تسلی دینے لگا۔ اس وقت کسی لمبے چوڑے لیکچر کا موقع نہیں تھا میں نے اسے ایک مشورہ دیا۔

"بیٹا کتابیں پڑھنا چھوڑ دو ...... کچھ عرصے کے لئے ...... اب تم گھومو پھرو، فطرت کا مشاہدہ کرو، دیکھو بادل ہوا میں اڑتے ہوئے کیا کیا رنگ

بدلتا ہے ...... پھول کی خوشبو کیسے پھیلتی ہے وغیرہ ...... دراصل بعض اوقات کتابیں اپنا مطلب نہیں کھولتیں اور قاری کو پریشان کر دیتی ہیں۔ اب تم باغوں میں جاؤ، جنگلوں کی سیر کرو...... شاباش! اللہ تمہاری مدد کرے گا۔"

پھر دو ہفتے تک میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اپنے تھیسس کی تیاری میں اس واقعے کو شاید بھول ہی گیا تھا...... کل شام جب زوروں کی بارش ہو رہی تھی، سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں بند تھے۔ میں بھی اپنے کمرے میں مقالہ لکھنے میں مصروف تھا۔ اچانک میرے کمرے کا دروازہ ایک زور دار آواز سے کھلا۔ بارش میں شرابور اور کیچڑ میں لت پت شارب تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ خوشی سے چیختا ہوا میری طرف بڑھا اور مجھے گود میں اٹھا کر کمرے میں ناچنے لگا۔

"مل گیا ماما جانی مل گیا۔" وہ چلا رہا تھا۔ میں نے مشکل سے خود کو چھڑایا اور اسے جھڑکا

"کیا مل گیا ارشمیدس کی دُم ...... سارے کپڑے ناس کر دیئے۔"

"ماما جانی میرے سوال کا جواب مل گیا۔ اب میں خوش رہوں گا۔"

"اچھا! کیا بھلا...... بتاؤ تو سہی۔" میں نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

وہ بھی ایک کرسی گھسیٹ کر میرے قریب ہی بیٹھ گیا اور بڑی راز داری سے سرگوشیوں میں مجھے

یتیم کو نہ مارو

کسی نے رسول اللہؐ سے عرض کیا "میرے پاس ایک یتیم بچہ ہے میں اسے کن باتوں پر مار سکتا ہوں؟" فرمایا "جن باتوں پر اپنی اولاد کو مارتے ہو یعنی علم و ادب سیکھنے پر۔"

فقیہہ فرماتے ہیں کہ علم و ادب سکھانے میں بھی یتیم کو ناگزیر حالت میں مارنا چاہئے اور سخت ضرورت کے بغیر اس کو مارنے سے پرہیز ہی مناسب ہے کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ اس کے رونے پر عرش الٰہی ہلنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں ہے "اس بچے کو کس نے رلایا جس کے باپ کو میں نے زمین کے نیچے چھپا دیا ہے۔" فرشتے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے "فرشتو! گواہ رہو جو شخص میرے لئے کسی یتیم کو خوش کرے گا میں اسے خوش کر دوں گا (اسی لئے حضور یتیموں کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے تھے) حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ نے فرمایا "یتیم کے حق میں شفیق باپ کی طرح بن جاؤ اور لڑکیوں کے ساتھ نرم سلوک کرو۔

حضرت انس بن مالک رسولؐ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ جو بازار سے کوئی عمدہ چیز خرید کر لایا اور اپنے بچوں کو کھلائی تو اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا نیز فرمایا "پہلے لڑکیوں کو کھانا کھلایا جائے اللہ بھی لڑکیوں پر نرمی کرتا ہے اس کی مثال اللہ کے خوف سے رونے والے کی ہے جس کی بخشش ہو جاتی ہے جو لڑکیوں کو خوش کرے گا غم کے دن اللہ اس کو خوش کرے گا۔ (یعنی قیامت کے دن۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لڑکوں کو خوش نہ کیا جائے ان سے نیک سلوک نہ کیا جائے بلکہ لڑکیوں کے ساتھ زیادہ نرمی کا حکم ہے)

(تنبیہہ الغافلین سے منتخب)

بتانے لگا۔

"ماما جانی میں جنگل میں گیا تھا۔ بارش ہونے لگی۔ میں نے دیکھا ننھّی ننھّی سفید پریاں بوندوں کی سواری میں بیٹھی نیچے اتر رہی ہیں۔ وہ ہر جگہ اُتریں ...... درختوں پر، پودوں پر، پھولوں پر، ندی میں۔ ماما جانی وہ بہت خوش تھیں ...... ان کے ساتھ سارا جنگل بھی خوش تھا۔ درخت، پودے، پھول، ندی کا پانی، جانور، سبھی۔ سب ہنس رہے تھے ...... قہقہے لگا رہے تھے ...... خوشی سے جُھوم رہے تھے۔ پریوں سے گلے مل رہے تھے۔ میں نے دیکھا، درخت لہرا رہے ہیں، پودے لہک رہے ہیں، پھول مہک رہے ہیں، پرندے چہک رہے ہیں، جانور گا رہے ہیں اور پانی گنگنا رہا ہے ...... سب خوش تھے، بس ایک میں اُداس تھا۔ میں پھولوں کے ایک جُھنڈ کے پاس اُفسردہ کھڑا تھا۔ ایک پھول نے مجھ سے پوچھا۔

"اچھّے لڑکے تم کیوں اُداس ہو؟"

میں نے کہا "پتا نہیں۔" پھر میں نے پوچھا۔ "ننھّے پھول تم کیوں خوش ہو؟" اس نے مسکرا کر جواب دیا "اس لئے کہ میں اپنا کام کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب!! میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔"

"مطلب یہ کہ اللہ نے مجھے جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، میں وہ مقصد پورا کر رہا ہوں۔"

قابلِ دید

طوطے کا نیلام ہو رہا تھا۔ لوگ بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ طوطے کی قیمت بڑھتی جا رہی تھی۔ بالآخر ایک بڑے میاں نے تین ہزار ڈالر میں طوطا خرید لیا۔ قیمت ادا کرنے کے بعد بڑے میاں نے نیلام گھر کے مالک سے پوچھا۔ "یہ طوطا بولتا ہے؟" "جی ہاں جناب!" نیلام گھر کے مالک نے نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ طوطا ہی تو تھا جو آپ کے مقابلے میں بولی لگا رہا تھا۔"

(مرسلہ۔ انجم آصف۔ لاہور)

"یعنی؟"

"یعنی یہ کہ اپنے خوب صورت رنگ سے دیکھنے والوں کو خوشی پہنچاتا ہوں اور خوشبو سے انہیں مسّرت بخشتا ہوں۔"

"اور یہ درخت، پودے، پانی، جانور، بوندوں کی پریاں؟"

"یہ سب بھی اپنی اپنی زندگی کا مقصد پورا کر رہے ہیں اس لئے خوش ہیں۔" تب ماما جانی بات میری سمجھ میں آگئی۔ سچّی خوشی اسی وقت ملتی ہے جب چیزیں وہ مقصد پورا کریں جن کے لئے اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

اور اتنی سی بات تو شارب جانتا ہی تھا کہ انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اور دوسرے انسانوں کے کام آئے۔

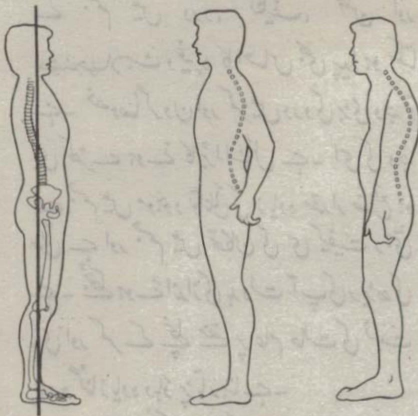

حماد خالد فیاضی

سیدھا کھڑا ہونا شروع کیجیے

پہلی نظر میں یہ ایک عام بلکہ مضحکہ خیز موضوع نظر آتا ہے کہ "سیدھا کھڑا ہونا شروع کیجیے۔" ممکن ہے آپ یہ سوچنے لگیں کہ اب تک ہم کیا اُلٹے کھڑے ہوتے تھے۔ چلیے مان لیا کہ آپ سیدھے کھڑے ہوتے تھے لیکن کیا آپ کا کھڑے ہونے اور بیٹھنے کا انداز واقعی ایسا ہے کہ اسے بہترین کہا جا سکے۔ ذرا اپنے انداز پہ غور فرمائیے۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی تو کمی ضرور موجود ہوگی مثلاً کندھے جُھکے ہوں گے، گردن سیدھی نہ ہوگی، گھُٹنے صحیح پوزیشن میں نہ ہوں گے، بیٹھتے ہوئے کمر محرابی صورت اختیار کر لیتی ہو گی وغیرہ وغیرہ۔ اگر ان میں سے کوئی خرابی بھی آپ میں پائی جاتی ہے تو سزا کے طور پہ اس مضمون کو دو بار پڑھیے۔ اور اپنے کھڑے ہونے کے انداز کو دُرست فرمائیے۔ اور ہاں ..... اگر اس سے فائدہ پہنچے تو ہمیں دُعا دینا نہ بھولیے گا۔

آپ کا جسم آپ کی شخصیت کے متعلق دنیا کو بہت کچھ بتاتا ہے۔ ایک آدمی جو بہترین انداز میں سیدھا کھڑا ہوتا ہے وہ اپنی چُستی اور خود اعتمادی کا ثبوت پیش کرتا ہے جب کہ ایک ڈھیلا ڈھالا شخص اپنی مایوس کُن طبیعت اور احساسِ کمتری کا سرِعام اعلان کرتا ہے۔ اگرچہ جُھک کر کھڑے ہونے یا بیٹھنے سے کوئی سنگین قسم کی بیماری لاحق نہیں ہوتی مگر آپ کا یہ انداز آپ کے جسم پر غیر ضروری اور ناخوشگوار بوجھ ضرور ڈالتا ہے اور اس طریقے سے کھڑے ہونے میں آپ عمر رسیدہ اور موٹے محسوس

ہوتے ہیں۔

کھڑے ہونے کے بڑے انداز کی وجہ سے آپ کے جسم میں درد، تکلیف، تھکن اور جھنجھلاہٹ وغیرہ کا احساس بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ خصوصاً گردن اور کمر میں درد کی بڑی وجہ تو یہی کھڑے ہونے کا بُرا اسٹائل ہے۔ اسی کی وجہ سے جسم میں موجود توانائی کی زیادہ مقدار ضائع ہو جاتی ہے اور جسم میں تھکان کی سی کیفیت رہتی ہے۔ جُھکے ہوئے انداز کی بدولت آپ کی ریڑھ کی ہڈّی اور کمر کے نچلے حصّے پر عام حالت کی نسبت پندرہ گُنا زیادہ دباؤ پڑتا رہتا ہے۔

جب آپ جُھکے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں تو ڈایا فرام(DIAPHRAM) سُکڑ جاتا ہے اور یوں آپ کے پھیپھڑوں کے پھیلنے کے لئے کم جگہ بچتی ہے۔ جب آپ سانس لیتے ہیں تو پھیپھڑوں کے سُکڑنے کی وجہ سے کم آکسیجن اندر سما پاتی ہے جو جسم کی نشوونما کے لئے قطعی ناکافی ہوتی ہے۔گویا صرف غلط انداز سے کھڑے ہونے کی بدولت آپ کے جسم کی نشوونما رُک جاتی ہے یا پھر اس پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ باقاعدگی سے ورزش کرنے والے حضرات بھی اپنے کھڑے ہونے کے انداز پر غور نہیں کرتے اور اس چیز کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ یہ عمل ان کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک رنر یا سائیکلنگ کرنے والے کی ٹانگیں اور کولہے کے جوڑ (HIP JOINT) تو ضرور مضبوط ہوں گے لیکن اگر اس نے اپنے جسم کے بالائی حصّے کو نظر انداز کر دیا تو نہ صرف یہ کہ بالائی پٹھے بہت کمزور ہو جائیں گے بلکہ وہ حضرت بھی مضحکہ خیز نظر آئیں گے۔ یہی صورت دیگر کھیلوں میں بھی ہے اگر ایک بیٹس مین یا بولر صرف اپنی بیٹنگ یا بولنگ پر توجّہ دے اور مکمل ورزش نہ کرے تو میدان میں ناکامی کے علاوہ اس کی جسمانی نشوونما بھی مُتاثر ہو گی۔

کچھ ملازمت پیشہ افراد جو سارا دن دفتر میں بیٹھ کے کام کرتے ہیں، ان کے بھی کمر کے پٹھوں میں کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ جُھک کر بیٹھنے سے اس کھچاؤ کی شدّت میں کمی واقع ہو رہی ہے تو وہ اس انداز کو مستقلاً اپنا لیتے ہیں۔ بغیر یہ سوچے سمجھے کہ اس طرح بیٹھنا کس قدر نقصان دہ ہے۔ اسی طرح زیادہ وزن رکھنے والے افراد بھی اپنی جسمانی ساخت کی آسانی کی خاطر یہی انداز اپنا لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چلنے پھرنے میں دِقّت محسوس کرتے ہیں۔

اب تک ان لوگوں کے بارے میں بات ہوئی جو ڈھیلے انداز کو اپناتے ہیں اور یوں نہ صرف دیکھنے میں برے لگتے ہیں بلکہ درد اور تھکن کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ اب ذرا آیئے ضرورت سے زیادہ تنے ہوئے لوگوں کی طرف۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک فوجی کا کھڑے ہونے کا انداز بہترین ہے۔ اس کی بدولت انسان چُست اور پھرتیلا دکھائی دیتا ہے۔ نوجوان طبقہ نتائج کی پروا کئے بغیر اس

اسٹینڈنگ پوزیشن کو اپنانے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ فوج میں کھڑے ہونے کا انداز کچھ ایسا ہے۔ سر اُٹھا ہوا قدرے پیچھے کی طرف، کندھے پیچھے کی طرف دھکیلے ہوئے، چھاتی باہر نکلی ہوئی اور گھٹنے سخت پوزیشن میں۔ اس انداز سے کھڑے ہونے کی وجہ سے آپ کی ریڑھ کی ہڈی (SPINE) محراب کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اس پر شدید دباؤ پڑتا ہے۔ دراصل ہر وہ انداز جس میں قوت اور سختی ہو، غیر فطری ہوتا ہے اور تکلیف پیدا کرتا ہے۔ ایسا انداز اپنانے سے مددگار پٹھوں اور ریشوں پر دباؤ پڑتا ہے اور وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ نہ جُھک کے کھڑا ہونا ہے اور نہ تن کے تو پھر کھڑا کس طرح ہونا ہے اور کھڑے ہونا بھی ہے یا نہیں۔ فطری طریقے کے مطابق کھڑا ہونا بہت کم لوگوں کو آتا ہے۔ کھڑے ہونے کا مناسب ترین انداز درج ذیل ہے۔

"کندھے، کولہے، گھٹنے اور ٹخنے وغیرہ ایک سیدھ میں ہوں، کمر کا بالائی حصہ ہلکا سا باہر کی جانب نکلا ہو اور ٹھوڑی فرش کے متوازی ہو"۔ یہ کھڑا ہونے کا بہترین انداز ہے۔ اس کی بدولت جسم کے کسی حصّے پر غیر ضروری بوجھ نہیں پڑتا اور نہ ہی توانائی کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔ یوں جسمانی نشوونما بخوبی جاری رہتی ہے۔

سقراط کے اقوال

○ ...... جس چیز کا علم نہیں اس کو مت کہو۔ جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو مت کرو۔ جو راستہ معلوم نہیں اس پر سفر مت کرو۔

○ ...... اپنے آپ کو پرکھے بغیر زندگی بسر کرنا بے معنی سی بات ہے۔

○ ...... ہر راحت کے بعد الم اور ہر الم کے بعد راحت ہے۔

○ ...... وہ آدمی ہی کیا جس سے اس کے دوست خائف رہتے ہیں۔

○ ...... کامل انسان وہ ہے جس سے اس کے دشمن بھی بے خوف ہوں۔

○ ...... نعمتِ حق کی تلافی کے واسطے تین چیزیں اختیار کرو شکر کثیر، عبادت لازم اور گناہ سے توبہ۔

○ ...... خودکشی بہت بڑا گناہ ہے۔

○ ...... جوانی میں آدھا کھاؤ اور آدھا بچاؤ۔

○ ...... تحریر ایک خاموش زبان اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔

○ ...... اچھی بات جو بھی کہے غور سے سنو۔

○ ...... دوستی کی شیرینی کو ایک دفعہ کی رنجش کی یاد ہمیشہ کے لئے زہر آلود کر دیتی ہے۔

○ ...... میں صداقت کا اس طرح پیچھا کرتا ہوں جس طرح ایک شکاری کتا شکار کا پیچھا کرتا ہے۔

(مرسلہ۔ محمد حفیظ مبین، سکھر)

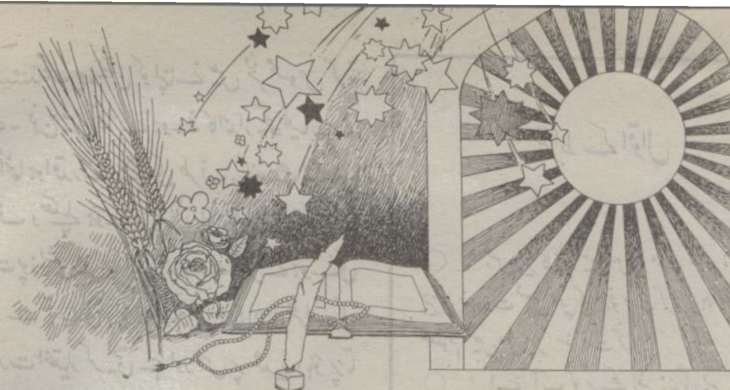

نیا سال آیا

نئے اسلامی سال کی آمد پر ضیغم حمیدی کی خوبصورت نظم

مُبارک ہو بچّو! نیا سال آیا
نئے دن ہیں اب اور نئی ساری راتیں
بدل دو یہ سارے کیلنڈر پُرانے
نئی منزلیں ہیں نئے راستے ہیں
سنو نونہالو! سنو میرے بچّو!
مسافر جو سوئے ہیں ان کو جگا دو
نیا عہد آؤ یہ مل کر کریں ہم
جہاں بھر کو پیغامِ اُلفت کا دیں گے
کریں گے نہ آپس میں ہم سب لڑائی
فلک پر چمکدار سورج نیا ہے

نئی زندگی کے نئے رنگ لایا
پرانی ہوئیں ساری ماضی کی باتیں
سناؤ نہ ماضی کے مجھ کو فسانے
نئے ہیں ارادے نئے قافلے ہیں
گئے سال کی ساری باتیں بُھلا دو
جو ہیں خوابِ غفلت میں ان کو اُٹھا دو
کہ ہاتھوں میں لے کر محبت کا پرچم
کہ ہم سارے انسان مل کر رہیں گے
بُری چیز ہے جنگ اور ہاتھا پائی
نئے سال کی ہم سے یہ التجا ہے

اُمنگوں بھرا پھر نیا سال آیا
نئی خواہشیں اور نیا رُوپ لایا

اسرائیل کیا ہے؟ کیا چاہتا ہے؟

سہیل احمد صدیقی

عالم اسلام کو درپیش مسائل میں سرفہرست فلسطین کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ فلسطین کے بیشتر علاقہ پر اسرائیل نے زبردستی قبضہ کیا ہوا ہے۔ فلسطین دس ہزار مربع میل کا ایک ایسا منفرد علاقہ ہے جو بہ یک وقت مسلمان، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے اہم اور مقدّس ہے۔ اس کی بڑی وجہ بیت المقدّس ہے جسے یروشلم، یروشلیم اور ایلیا کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(ا) مسلمانوں کے نزدیک بیت المقدس اس لئے خصوصاً اہم ہے کہ یہ ہمارا پہلا قبلہ ہے۔

(ب) یہودیوں کے لئے اس کی اہمیت، احترام و تقدّس کی بڑی وجہ حضرت سلیمان علیہ السّلام (جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے) کا تعمیر کیا ہوا ہیکل (عبادت گاہ) ہے، جس کے آثار ابھی تک نہیں مل سکے۔

(ج) عیسائی اس جگہ کو یوں اہم سمجھتے ہیں کہ اس سے کچھ فاصلہ پر واقع بیت لحم..... میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ اس جگہ بہت سے انبیائے کرامؑ کے مزارات یا یادگاریں ہیں۔ اس علاقہ پر قبضہ کے لئے متعدد اقوام نے کوشش کی اور کئی جنگجو حکمراں اس پر حملہ آور ہوئے اور اس شہر (بیت المقدّس) کو برباد و ویران کر کے چلے گئے۔ گیارہویں صدی سے چودھویں صدی تک فلسطین کا علاقہ صلیبی جنگوں کا مرکز رہا۔ متعصب عیسائیوں نے پوپ کی مدد سے ان جنگوں کو مذہبی جنگ یا صلیبی جنگ (صلیب کے تحفظ کی خاطر جنگ) کا درجہ دے کر تمام عیسائی دنیا میں اشتعال برپا کر دیا۔ یورپ کے گوشے گوشے سے عیسائی حکمران اور عوام متّحد ہو کر اس علاقہ میں صلیبی جنگیں لڑنے آتے تھے۔ صلیبی جنگوں کا نقطۂ عروج سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں انگلستان کے بادشاہ رچرڈ (جسے انگریز شیر دل کہتے ہیں) کی شکست اور بیت المقدّس کی فتح (۱۱۸۷ء) تھی۔

صیہونی تحریک۔ بنی اسرائیل اس قوم کا نام ہے جو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السّلام کی نسل سے ہے۔ اس قوم میں خدائے ذوالجلال نے کئی ہزار انبیائے کرامؑ بھیجے اور ان پر نعمتوں کی بارش کر دی مگر اس قوم نے ہر دور میں خدا کی نافرمانی کی اور اس کی نعمتوں کا انکار کیا۔ انبیا کی تذلیل و توہین کی، حتیٰ کہ ان کے قتل سے بھی باز نہ آئی۔ چناں چہ خدا کی بارگاہ میں سب سے مردود قوم قرار پائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے انہیں فرعونِ مصر اور اس کی قوم کے مظالم سے نجات دلائی مگر یہ ان کے ساتھ سابقہ سلوک دہراتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد انہیں خدائی سزا کے طور پر چالیس سال تک تیہ کے صحرا میں بھٹکنا پڑا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے وصال کے بعد بنو اسرائیل نے ان کی لائی ہوئی کتاب تورات میں بہت زیادہ تحریف کی اور ایک وقت آیا کہ اصل تورات غائب ہو گئی۔ پھر کچھ حفّاظ نے (جن میں نبی حضرت عزیر علیہ السّلام کا ذکر بھی آتا ہے) اپنے اپنے دور میں اس کی کتابت اور حفاظت کا انتظام کیا۔ آج تورات اپنی بگڑی ہوئی شکل میں بائبل کا حصّہ ہے۔

بنو اسرائیل نے موسوی شریعت کو بدل کر اسے ایک نیا نام دیا۔ یہ نام "یہودیت" ہے جو یہوداہ (حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک فرزند) سے موسوم ہے۔

صدیوں تک یہودی، قوم اور علاقہ کی بنیاد پر متحد نہیں ہو سکے۔ پھر ۱۸۹۷ء میں بیت المقدّس کی ایک پہاڑی "صیہون" سے موسوم یہودیوں کے وطن کے حصول کے لئے صیہونی تحریک شروع کی گئی، جس نے آگے چل کر مسلمانوں کو اپنا خاص ہدف بنایا۔ صیہونی تحریک کے ارکان کی بھرتی کا کام بہت تیزی سے ہوا۔ یہودیوں نے فلسطین میں زمینیں خریدیں اور بہت سے یہودی وہیں مستقل آباد ہو گئے۔

پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں ۱۹۱۷ء کا سال یہودیوں کے لئے بہت اہم تھا جب برطانیہ کی حکومت نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ ملک میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے جن سے یہودیوں کے قومی وطن کا قیام ممکن ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ فلسطین کے تمام باشندوں کے شہری و مذہبی حقوق کی حفاظت بھی کی جائے گی۔ یہودیوں نے اِتّحادی طاقتوں سے یہ ساز باز کی تھی کہ اگر فلسطین کو ان کا وطن بنا دیا جائے تو وہ جنگ میں اِتّحادیوں کو مالی امداد فراہم کریں گے۔

فلسطین کی شام سے علاحدگی۔ سازش کے تحت ۲۴ جولائی ۱۹۲۲ء کو فلسطین کا علاقہ شام سے علاحدہ کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاجی تحریک چلائی۔ ۱۹۲۳ء میں فلسطین کے باشندوں کی وزارت کی تشکیل کا وعدہ کیا گیا اور اس مقصد کے لئے انتخابات ہوئے مگر مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کیا۔

فلسطین کی تقسیم کا منصوبہ۔ یہودی چاہتے تھے کہ جن علاقوں میں ان کی اکثریت ہے، وہاں ان کی جداگانہ حکومت بنا دی جائے۔ مسلمانوں کے اختلاف کے باوجود برطانیہ نے اس پر عمل در آمد کے لئے پالیسی وضع کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جن ممالک کے نقشوں میں تبدیلی آئی، فلسطین بھی ان میں شامل تھا۔

۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو فلسطین کی تقسیم کا باقاعدہ اعلان اقوامِ متّحدہ نے کیا۔ پھر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو اس کے ایک حصّہ پر یہودیوں نے اسرائیل کے نام سے حکومت قائم کی، فلسطین کا ایک حصّہ اُردن کے مشرقی حصہ سے اور دوسرا مصر سے ملا دیا گیا۔ عرب مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ شروع ہوئی تو یہودیوں نے اپنے مقبوضہ علاقے سے انہیں نکال دیا۔ اسرائیل کی حفاظت برطانیہ، امریکا اور فرانس کی مشترکہ ذمہ داری تھی۔ اقوامِ متحدہ نے حکومت اسرائیل کے فوری قیام کی اجازت نہیں دی تھی مگر امریکا اور سوویت یونین نے اس کے قیام کے اعلان کو فوراً تسلیم کر لیا۔

عظیم تر اسرائیل کا منصوبہ۔ یہودی اپنے علاقہ تک محدود نہیں رہے۔ انہوں نے دہشت گردی اور جارحیت کا سلسلہ بڑھا کر نصف بیت المقدّس پر قبضہ کر لیا۔ اسرائیل کے قائدین کے منصوبہ کے مطابق ”عظیم تر اسرائیل“ عراق سے نہر سوئیز (مصر) تک پھیلا ہو گا۔

آزادی کی تحریک۔ فلسطین کی آزادی کے لئے جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں، ان میں سرفہرست نام PLO. PALESTINIAN LIBRATION ORGANISATION یعنی تحریکِ آزادئ فلسطین کا ہے۔ ایک عرصہ تک سرگرم اور مقبول رہنے کے بعد یہ تنظیم اب اپنی افادیت کھو چکی ہے جس کی کئی وجوہ ہیں۔ اس

کی ناکامی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے فلسطین کی جنگ اسلام کے بجائے عرب قوم پرستی کی بنیاد پر لڑی۔اس کے جنگجو دستوں اور قائدین میں عیسائی عرب بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف ان کے بعض یہودیوں سے روابط کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تنظیم کی سرگرمیاں بالواسطہ طور پر عالمی طاقتوں کے زیرِ اثر رہیں۔ آج یہ اسرائیل کو (اپنے بنیادی منشور کے برعکس) تسلیم کرنے کو تیار ہے مگر اسرائیل امن کے لئے ہونے والی کسی کوشش میں انہیں شریک کرنے کو تیار نہیں۔

فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں انتفاضہ کی تحریک گزشتہ چند سالوں میں بے حد مقبول ہوئی ہے۔ یہ نہتے فلسطینی مسلمانوں کی نمائندہ تحریک ہے جو اپنی بساط کے مطابق جدوجہدِ آزادی میں مصروف ہے۔

پھول سونگھنے کا جدید انداز۔

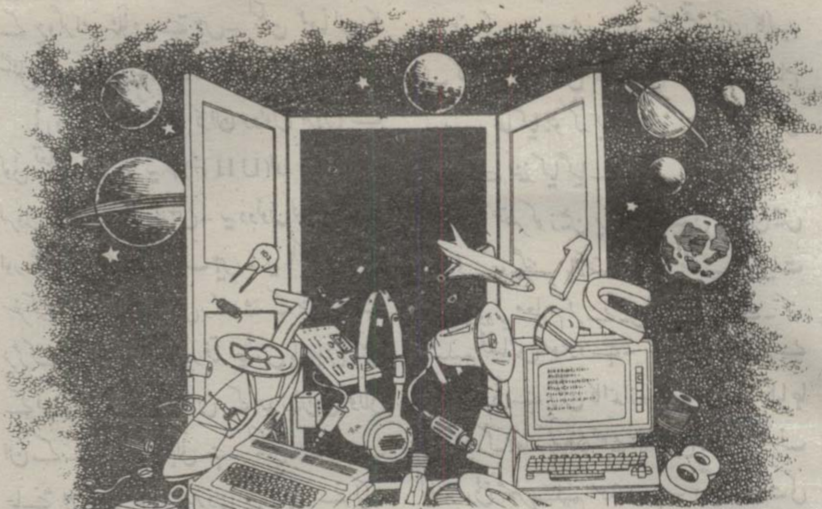

درِ حیرت

سائنسی موضوعات پر سوال و جواب کا سلسلہ

س ...... ریڈیو سے ہم اکثر میڈیم ویو اور شارٹ ویو کے الفاظ سنتے ہیں۔ ان کا کیا مطلب ہے؟ کیا ٹیلی ویژن کے پروگرام بھی میڈیم ویو اور شارٹ ویو پہ ٹیلی کاسٹ کئے جاتے ہیں؟

ج.... میڈیم ویو اور شارٹ ویو لہریں ہیں جن کی مدد سے ریڈیو کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ میڈیم ویو لہروں کا طول موج نسبتاً بڑا ہوتا ہے اور انہیں مقامی پروگرام نشر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لہریں زمین کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور ایک محدود دائرہ تک ہی جا سکتی ہیں۔ یعنی یہی کوئی ساٹھ، ستّر میل تک۔ اس کے بعد ان کی طاقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے بر خلاف شارٹ ویو لہریں چھوٹے طول موج کی ہوتی ہیں اور ان کی مدد سے دور دراز ممالک کے پروگرام بھی سُنے جا سکتے ہیں۔ یہ لہریں زمین کے ساتھ ساتھ نہیں چلتیں بلکہ ان کا رخ آسمان کی طرف ہوتا ہے۔ اوپری فضا میں یہی لہریں منعکس ہوتی ہیں اور فضا میں موجود آئینہ نما تہوں سے ٹکرا کر دوبارہ زمین کی طرف آتی ہیں جہاں ہمارا ریڈیو ان کو وصول کر کے آواز کو ہم تک پہنچاتا

ہے۔ خاص حالات میں میڈیم ویو پر بھی دور دراز کے پروگرام سنائی دیتے ہیں۔ لیکن عموماً ان کا سگنل بہت کمزور ہوتا ہے۔

ٹی وی کے پروگرام کا ان دونوں لہروں سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو (UHF) اور (VHF) لہروں پر نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں لہریں میڈیم اور شارٹ ویوز سے مختلف ہیں۔ یہ بالکل سیدھی سفر کرتی ہیں اور رستے میں رکاوٹ کے مزاحم ہونے پر رُک جاتی ہیں۔ ان کی رفتار چالیس یا پچاس میل کے قریب ہے کیوں کہ اس کے بعد زمین کی گولائی ان کے لئے مسئلہ بن جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ سب جانتے ہیں مواصلاتی سیاروں کی ایجاد نے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ ٹی وی کے پروگرام دنیا کے ایک خطّے سے نشر ہوتے ہیں اور ان ہی مواصلاتی سیاروں کی بدولت ساری دنیا میں دیکھے جاتے ہیں۔

س۔ ہیلیم کیا ہے؟ حبیب اللہ، کراچی

ہیلیم کی دریافت بالکل سائنسی قسم کی جاسوسی کہانی کی طرح تھی۔!

۱۸۶۸ء میں سر نورمین کو کیٹر نامی ایک انگریز سائنس دان اسپیکٹرو سکوپ کی مدد سے سورج کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اس آلے کی مدد سے سائنس دان مختلف عناصر کی پہچان کرتے ہیں کیونکہ ہر عنصر شعاعی عکس میں مختلف لائنس پیدا کرتا ہے۔ اس مطالعے کے دوران سائنس دان نے شعاعی عکس میں ایک نئے قسم کی لائن کو محسوس کیا جو صرف کسی نئے عنصر کی وجہ سے ہی پیدا ہو سکتی تھی جس کا اب تک کوئی سراغ نہیں تھا۔ اس نئے عنصر کا نام ہیلیم رکھا گیا جو کہ یونانی نام ہیلیوس بمعنی سورج سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سائنس دان اس عنصر کو زمین پر ڈھونڈنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے۔ بالآخر بہت سارے تجربات کے بعد وہ یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ کہ ہیلیم فضا میں موجود ہے۔ لیکن اس کی تعداد بے انتہا کم ہوتی ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہوا کے ۲۴۷۳۵۰ مربع میٹر میں صرف ایک مربع میٹر ہیلیم موجود ہے۔ دیگر تجربات کی مدد سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ ہیلیم ریڈیم سے بھی خارج ہوتا ہے اور یہ کہ ریڈیم میں سے خارج ہونے والی شعاعوں میں ایلفا شعاعیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ ہیلیم کے ایٹم بہت تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ ہیلیم ایک فائدہ مند عنصر ہے چونکہ یہ آگ نہیں پکڑتا ہے اس لئے اسے موسمی اور دیگر غباروں میں استعمال کیا جاتا ہے کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہیلیم دواؤں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ سانس کی تکلیف میں استعمال کیا جاتا ہے۔ سرنگوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو بھی سانس لینے کے لئے آکسیجن اور ہیلیم کا محلول دیا جاتا ہے۔

کاش اِک ایسا بھی ہوتا جانور

آرٹسٹ نے کون سے ۱۳ جانوروں سے ملا کر یہ ایک جانور بنایا
۱۳ نام صحیح صحیح لکھئے اور انعام پائیے

MISS MISTAKE
MISTAKE
بوجھیے ہر تصویر میں کیا کمی ہے؟
1
2
3
4
5
6
7
8

گتھی جو سلجھائے
وہ فاتح بن جائے
ایک نمبر والے بینڈل سے اپنا سفر شروع کیجیے اور نمبر ۲، ۳ اور ۴
تک پہنچیے۔ خیال رہے کہ اپنے سفر کیلئے غلط راستہ چن لیا تو آگے
آپ پھنس جائیں گے۔

میرا مشن

ایک میچ میں دس کیچ لینا

راشد لطیف

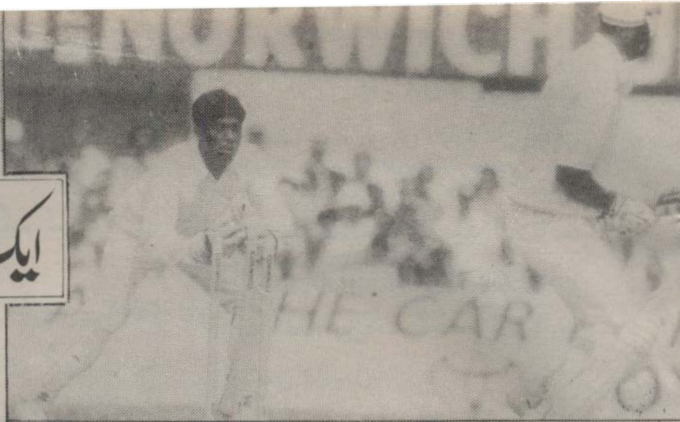

انٹرویو : سلیم خالق

گزشتہ سال جب پاکستانی کرکٹ ٹیم نے انگلینڈ کا دورہ کیا تو کرکٹ کے اُفق پر چند نئے کھلاڑی اُبھرے۔ انہوں نے اپنی کارکردگی سے کرکٹ کے شائقین کو بہت مُتاثر کیا۔ اِن کِھلاڑیوں میں ایک نام راشد لطیف کا بھی ہے۔ راشد کو انگلینڈ کے دورے میں اوول ٹیسٹ کھیلنے کا موقع ملا جہاں انہوں نے وکٹ کے عقب میں دو کیچ اور ایک اسٹمپ کرنے کے بعد شاندار نصف سنچری اسکور کی اور اپنے انتخاب کو دُرست ثابت کر دکھایا۔

راشد لطیف ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کرکٹ کھیلنے کا آغاز ماڈل کالونی کے علاقے سے کیا۔ پھر ان کے کھیل میں نکھار آتا رہا اور وہ ترقی کرتے کرتے یونائیٹڈ بینک کی کرکٹ ٹیم میں آگئے جہاں سینئر کھلاڑیوں نے ان کی بہت حوصلہ افزائی کی اور وہ قومی ٹیم میں شامل ہو گئے۔ راشد لطیف کو فون کر کے جب میں نے انٹرویو کا وقت مانگا تو وہ فوراً تیار ہو گئے۔ "آنکھ مچولی" سے ان کا تعارف بہت پُرانا ہے۔ کیونکہ یہ رسالہ ان کے گھر میں کئی سال سے بہت شوق سے پڑھا جارہا ہے۔ راشد کو آنکھ مچولی بہت پسند ہے کیونکہ اس میں جنوں اور بھوتوں وغیرہ کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کھیل کے ساتھ ساتھ راشد پڑھائی میں بھی کبھی پیچھے نہیں رہے۔ وہ این ای ڈی یونیورسٹی میں فائنل ائیر کے طالب علم ہیں۔ راشد کے لئے عالمی کپ کے فاتح قائد عمران خان نے کہا تھا کہ اگر عالمی کپ میں راشد ہوتا تو ہم بہت آسانی سے سارے میچ جیت جاتے۔ یقیناً راشد کے کھیل کو اس سے بڑا خراج تحسین پیش نہیں کیا جا سکتا آیئے انٹرویو شروع کرتے ہیں۔

سوال ...... آپ کو کرکٹ کھیلنے کا شوق کیسے ہوا؟

راشد...... بچپن میں جب قومی اسٹارز کو کھیلتے دیکھتا تھا تو میرا بھی دل چاہتا تھا کہ میں بھی کرکٹ کھیلوں پھر

اللہ کا شکر ہے کہ اچھی کرکٹ کھیلنے میں کامیاب ہو گیا۔ قومی کھلاڑیوں کو کھیلتا دیکھ کر ہی مجھے کرکٹ کا شوق ہوا۔

سوال ...... آپ نے وکٹ کیپنگ کے شعبے کا کیوں انتخاب کیا؟

راشد ...... بھئی میں کسی بھی حیثیت سے کھیلتا تو آپ یہی سوال پوچھ سکتے تھے۔ شروع ہی سے وکٹ کیپنگ کرتا رہا گلی میں جہاں ہم کھیلتے تھے وہاں بھی کیپنگ کرتا تھا پھر محنت کی اور قومی ٹیم میں موقع مل گیا۔

سوال ...... آپ نے پہلا دورہ انگلستان کا کیا۔ اس دورے کی کوئی خوش گوار یاد؟

راشد ...... بہت سی ہیں لیکن سب سے خوش گوار یاد وہ ہے جب میں نے پچاس رنز اسکور کئے تھے۔

سوال ...... جب آپ کو پتا چلا کہ اگلے دن آپ ٹیسٹ کھیل رہے ہیں تو رات کو نیند آئی یا نہیں کیونکہ بہت سے کھلاڑی کہتے ہیں کہ خوشی اور گھبراہٹ کی وجہ سے رات بھر جاگتے رہے؟

راشد ...... (مُسکراتے ہوئے) جی نہیں! میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ میں اس رات بھی نارمل انداز میں سویا۔ کیونکہ جاوید بھائی (میاں داد) نے مجھے ایک ہفتہ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تم آخری ٹیسٹ کھیلو گے۔

سوال ...... اچھا جیفری بائیکاٹ سے آپ نے جو شرط لگائی تھی۔ وہ کیا واقعہ تھا؟

راشد ...... دراصل جاوید بھائی (میاں داد) کی بائیکاٹ سے بات ہو رہی تھی تو جاوید بھائی نے ان سے میری تعریف کی اور کہا کہ یہ بہت اچھی بیٹنگ کرتا ہے۔ بائیکاٹ نے کہا کہ اگر یہ ۳۵ رنز بنا لے تو میں اسے ۵ پاؤنڈ دوں گا بعد میں جب میں ۵۰ رنز کر کے آوٹ ہوا تو بائیکاٹ نے مجھے ۵ پاؤنڈ کا نوٹ دیا اور میری تعریف کی۔

سوال ...... آپ ایک جونیئر کھلاڑی ہیں۔ میچ کھیلتے وقت سنیئر کھلاڑیوں کا رویّہ آپ کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟

راشد ...... بہت اچھا! بالکل بھائیوں کی طرح۔ خصوصاً جاوید میاں داد، سلیم ملک، رمیز راجہ، وسیم اکرم۔ یہ سب مجھے اپنے تجربات سے فائدہ پہنچاتے رہے ہیں۔ کھیلنے کے طریقوں کے بارے میں بہت مُفید باتیں بتاتے ہیں۔ ان کے مشوروں سے مجھ میں بہت اعتماد پیدا ہوا ہے اور میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔

سوال ...... آپ ماشاء اللہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں فائنل ائیر کے طالب علم ہیں۔ کھیل اور پڑھائی دو مختلف چیزیں ہیں۔ آپ نے ان دونوں میں توازن کیسے قائم رکھا ہے؟

راشد ...... اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں ہر کام وقت پر کرتا ہوں۔ پڑھائی کے وقت پڑھائی اور کھیل کے وقت کھیل۔ اسی وجہ سے میری پڑھائی نے کبھی کھیل کو مُتاثر نہیں کیا اور کھیل کی وجہ سے پڑھائی کا نقصان بھی نہیں ہوا۔ وقت پر ہر کام

کرنے کی عادت کے بہت فائدے ہیں۔ آدمی بے شمار کام کر سکتا ہے۔ وقت کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

سوال...... بچپن میں کرکٹ کھیلنے سے آپ کو گھر والے منع تو نہیں کرتے تھے؟

راشد...... جی ہاں منع کرتے تھے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ میں پڑھائی میں پیچھے نہیں ہوں تو روک ٹوک کم ہو گئی اور جب میرا انتخاب یو بی ایل میں ہو گیا تو میرے گھر والوں نے اعتراض کرنا بالکل چھوڑ دیا۔

سوال...... شرارتیں تو آپ کرتے ہی ہوں گے۔ بچپن کی کوئی خاص شرارت بتایئے؟

راشد...... جی ہاں! میں شرارتیں تو کرتا تھا مگر زیادہ نہیں۔کوئی خاص قابلِ ذکر شرارت نہیں ہے۔ (مُسکرا کر) بلکہ یوں کہئے کہ اتنا مصروف رہا کہ شرارت کرنے کی زیادہ فرصت نہ مل سکی۔

سوال...... اب جب کہ آپ کرکٹر ہیں، گھر والے کیا کہتے ہیں؟

راشد...... بہت خوش ہیں۔ آج میں جس مقام پر ہوں، اس میں میرے والدین کا بھی بہت ہاتھ ہے۔ ان کی محبت، شفقت، تربیت اور سب سے بڑھ کر ان کی دُعائیں۔ ان سب نے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے۔

سوال...... وکٹ کیپنگ میں آپ کے آئیڈیل کون ہیں؟

راشد...... سلیم یوسف، وہ ایک آئیڈیل وکٹ کیپر ہیں۔

راشد...... اب تک کسی بولر پر کیپنگ کرتے ہوئے مشکل تو پیش نہیں آئی؟

راشد...... کسی پر بھی نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ کراچی میں کئی اچھے بولر ہیں۔ان پر کیپنگ کرتے کرتے عادت ہو گئی ہے اسی لئے اب وسیم، وقار سب کی گیند پر آرام سے کیپنگ کر لیتا ہوں۔

سوال...... کرکٹ ٹیم میں آپ کے دوست کون کون ہیں؟

راشد...... یوں تو سب ہی دوست ہیں لیکن سب سے اچھے دوست انضمام الحق، ندیم خان اور باسط علی ہیں۔

سوال...... کرکٹ کے علاوہ کون سا کھیل پسند ہے؟

راشد...... بیڈ منٹن۔

سوال...... آف سیزن میں آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں؟

راشد...... آف سیزن میں بیڈ منٹن کھیلتا ہوں، اور امتحانات کی تیاری کرتا ہوں۔

سوال...... ویسٹ انڈیز والی سیریز میں کیا آپ اپنی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟

راشد...... جی ہاں،بس ٹھیک ہی کھیلا۔ لیکن آئندہ انشاء اللہ اس سے بھی اچھا کھیلوں گا۔

سوال...... آپ کے خیال میں اس سیریز میں ہارنے کی وجہ؟

راشد...... وجہ یہ ہے کہ جب بیٹنگ صحیح رہتی تھی تو

بولنگ خراب ہو جاتی تھی اور جب بولنگ اچھی ہوتی تھی تو بیٹنگ ناکام ہو جاتی تھی اور میچ جیتنے کے لئے بیٹنگ اور بولنگ دونوں کا ٹھیک رہنا بے حد ضروری ہے۔ سیریز ہارنے کی اصل وجہ یہ تھی۔

سوال ...... اچھا راشد بھائی آئندہ کا مشن؟

راشد ...... زیادہ سے زیادہ کرکٹ کھیلنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرنا۔

سوال ...... آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟

راشد ...... جی ہاں میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں ایک میچ میں دس کیچ لے لوں۔ انشاء اللہ ایک دن میری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔

سوال ...... آنکھ مچولی کے قارئین کے لئے آپ کا پیغام؟

راشد ...... پیغام یہ ہے کہ اگر آپ کرکٹ یا کوئی بھی کھیل کھیل رہے ہوں تو پڑھائی کو بھی ساتھ ساتھ جاری رکھئے اور کبھی سفارش کے چکر میں نہ پڑیئے کیونکہ سفارش سے آپ آگے تو چلے جائیں گے مگر کھیل نہیں سکیں گے۔ اس کے لئے سفارش کے بجائے محنت کیجئے کیونکہ آپ اپنا مقام محنت ہی سے بنا سکتے ہیں۔

بائیکاٹ کے آٹوگراف والے ۵ پونڈ کا عکس

قابلِ اعتماد - غذائیت سے بھرپور

دیسی گندم کا آٹا

کپڑے اور کاغذ کے تھیلوں میں
ممتاز اسٹورز اور یوٹیلٹی اسٹورز
پر دستیاب ہے۔

کراچی میں کپڑے کے تھیلوں میں دیسی گندم کا آٹا پیش کرنے کا سہرا سب سے پہلا شرف ہمارے ادارے کو حاصل ہے

اشرفی برانڈ آٹا سے پکائی ہوئی روٹی نرم اور ملائم رہتی ہے کیونکہ ہم خودکار مشینوں پر اعلیٰ درجے کی دیسی گندم سے آٹا تیار کرتے ہیں۔ اس میں میدہ اور سوجی پوری مقدار میں شامل ہوتے ہیں جو کہ آٹے میں غذائیت کا جزو اعظم ہیں۔ اب انٹرنیشنل کاغذی پیکنگ میں بھی دستیاب ہے۔

اشرفی
برانڈ آٹا ۲۵ سال سے
اعلیٰ معیار کی ضمانت

کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو
ہم نے تمہیں
عطا کی ہیں۔ (القرآن)

ماہانہ گھریلو خریداری میں سرفہرست

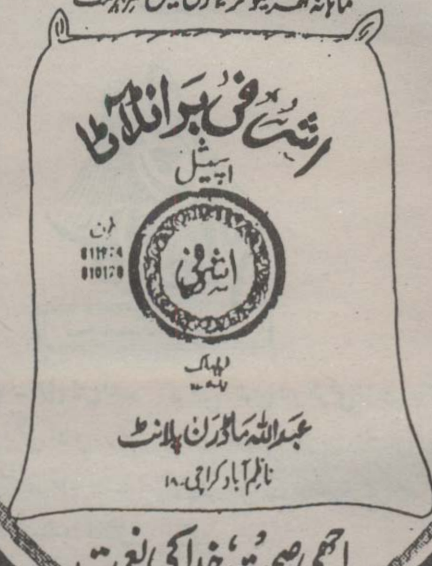

اچھی صحت، خدا کی نعمت

لالچ کا انعام

نجمہ خانہ

بہت دنوں پہلے کی بات ہے کہ غزنی میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ اپنی فرض شناسی، رحم دلی اور شوقین مزاجی کی وجہ سے مشہور تھا۔ بڑے بڑے فن کاروں اور شاعروں کو اس کے دربار میں جگہ حاصل تھی۔

بادشاہ کے دربار میں ایک مشہور شاعر ارشاد اللہ خان چمن بھی تھے۔ ان کی شاعری سننے سے بادشاہ کو قلبی سکون اور انوکھی لذت حاصل ہوتی تھی۔ بادشاہ خصوصی طور پر روزانہ ہی ان کی شاعری سنتے تھے اور اس کے بعد دربار میں بیٹھ کر فیصلے کیا کرتے تھے۔

ہر روز چمن نئے نئے اشعار پڑھ کر بادشاہ کو خوش کرتے۔ بادشاہ خود بھی حیران ہوتے کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی چمن نے کسی شعر کو

دہرایا نہیں بلکہ وہ روزانہ نئے اور اچھے شعروں کی مالا پرو کر بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

بادشاہ چمن کی شاعری سے خوش ہو کر ہر روز پانچ سونے کی مہریں انعام دیا کرتے تھے۔

بادشاہ کا ایک پرانا ملازم نعیم بہت ہی لالچی قسم کا انسان تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتا کہ چمن روز کچھ اشعار پڑھ کر بادشاہ کو سناتا ہے اور اس کے بدلے میں اس کو پانچ سونے کی مہریں ملتی ہیں جب کہ میں پورے ایک ماہ بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں تب کہیں جا کر دس سونے کی مہریں حاصل کرتا ہوں۔ دل ہی دل میں وہ درباری شاعر چمنؔ سے حسد کرنے لگا۔ چمنؔ اسے اپنا دشمن محسوس ہوتا۔ بہت سوچ سمجھ کر اس نے ایک ترکیب نکالی۔

ایک دن نعیم چمن کے گھر پہنچا۔ درباری شاعر چمن نے اس کا خوش اخلاقی سے خیر مقدم کیا اور پوچھا۔ "کہو نعیم! کیسے آنا ہوا؟"

"بات یہ ہے کہ ......"

ارشاد اللہ خان چمن اس کی طرف سے بے چینی سے دیکھنے لگا۔

"پرسوں ہی کی بات ہے کہ بادشاہ مجھ سے کہہ رہے تھے ......"؟ اتنا کہہ کر نعیم رک گیا۔ "کہو رک کیوں گئے؟" چمن نے کہا۔

"جانے دیجئے! آپ بے کار میں پریشان ہوں گے۔" نعیم بولا۔

اس کی آدھی بات سن کر چمن فکر مند ہو گئے۔ "وہ بولے "کیا کہہ رہے تھے بادشاہ سلامت! تم صاف صاف کیوں نہیں بتا رہے؟"

"اب آپ مجبور کرتے ہیں تو بتا ہی دیتا ہوں۔ بادشاہ سلامت کہہ رہے تھے کہ صبح ہی صبح درباری شاعر چمن کو دیکھ کر دل اداس ہو جاتا ہے۔ ان کے سفید بالوں میں مجھے اپنا بڑھاپا دکھائی دیتا ہے ان کی شاعری سننے کی ذرا بھی خواہش نہیں ہوتی مگر کیا کیا جائے ؟"

نعیم کی زبانی یہ بات سن کر چمن حیران رہ گئے۔ ان کو بہت رنج ہوا۔ چمن بہت نرم دل اور سادہ لوح انسان تھے۔ پریشان ہو کر بولے۔ "بڑھاپے پر کسی کا کنٹرول بھی تو نہیں ہو سکتا۔ میں کر بھی کیا سکتا ہوں"۔

"آپ ایک کام ضرور کر سکتے ہیں۔ آپ جب صبح بادشاہ سلامت کے سامنے اشعار سنانے حاضر ہوں تو پگڑی باندھ کر جائیں۔ جس سے آپ کے سفید بال چھپ جائیں گے۔" نعیم نے ترکیب بتائی۔

نعیم کی بتائی ہوئی ترکیب سن کر چمن بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے نعیم کو اچھا خاصا انعام دے کر رخصت کیا۔

نعیم اپنی خوشی چھپاتا ہوا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ موقع دیکھ کر وہ دبے دبے الفاظ میں بادشاہ سے بولا "بادشاہ سلامت ......

جنتِ ارضی

سیاسی رہنما ایم ایم بشیر مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ خبر اخبارات کے ذریعے علی گڑھ پہنچی ایم ایم بشیر کے والد اور دیگر افراد لاہور پہنچ گئے۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا۔ مجسٹریٹ کی ایماں پر ان کے والد نے ان پر بہت زور دیا کہ وہ معافی مانگ لیں لیکن ایم ایم بشیر نے ادب سے انکار کر دیا۔ مجسٹریٹ نے بھی کہا کہ "ماں باپ کا کہا مان لینا چاہئے۔ ان کے پاؤں کے نیچے جنت ہوتی ہے۔" بشیر مرحوم نے جواب دیا "جنت بعد میں حاصل کروں گا پہلے مسجد حاصل کر لوں۔ وہ آپ کے پاؤں کے نیچے ہے۔"

مرسلہ ...... سید اسد جعفری۔ کراچی۔

"اور یہ کہا کہ جب آپ کے سامنے وہ اشعار سنانے بیٹھتے ہیں تو ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے اسی لئے کل سے وہ سر پر پگڑی باندھ کر آئیں گے۔" نعیم جلدی جلدی بولا۔

"ہوں" ! بادشاہ نے غصے سے ہنکارا بھرا۔

دوسرے دن چمن دربار میں حاضر ہوئے۔ ان کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر سبھی کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ وہ شاعر سر پر پگڑی باندھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو انہیں دیکھ کر بادشاہ کے چہرے پر ناگواری کا اظہار ہوا لیکن خود پر قابو رکھتے ہوئے انہوں نے درباری شاعر چمن کی شاعری سنی۔

اشعار ختم ہونے کے بعد بادشاہ سلامت بولے "ہم آپ کی شاعری سن کر بہت خوش ہوئے آج ہم آپ کو کوئی بڑا انعام دینے کے بارے میں سوچ رہے ہیں"۔

"بڑی مہربانی ہے آپ کی"۔

بادشاہ نے فوراً ایک خط لکھا اور اس خط کو بند کروا کر درباری شاعر چمن کو سونپتے ہوئے کہا۔ "آپ ہمارا یہ خط وزیر مالیات کو دیجئے گا، وہ آپ کو انعام دیں گے۔" بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد چمن چلے گئے۔

یہ سب دیکھ کر نعیم حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ اس طرح تو چمن کو اور زیادہ انعام ملے گا اور کچھ ہی دیر میں اس نے ایک ترکیب سوچی۔

ابھی کچھ دیر پہلے درباری شاعر چمن سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"پھر؟"

"وہ آپ کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہا انہوں نے ؟"

"انہوں نے کہا کہ ہر روز آپ کو شعر سنا سنا کر وہ تنگ آ گئے ہیں"۔

"خاموش! کیا بکتے ہو ؟" بادشاہ غصے سے بولا۔

"نہیں بادشاہ سلامت! جان کی امان ہو۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ قسم کھا کر کہتا ہوں"۔ نعیم بولا۔

"اور کیا کہا انہوں نے؟" بادشاہ نے سخت

پہنچا۔ اسے دیکھ کر چمن خوشی سے بولے "سچ مچ تم ایک بہت اچھے انسان ہو۔ تمہاری ترکیب سے بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے ہیں۔"

"اور انعام مل رہا ہے آپ کو، آپ نے اب تک بادشاہ سلامت سے بہت کچھ حاصل کیا ہے مجھے بھی تو کچھ ملنا چاہئے۔ اگر آپ مجھے یہ خط دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی آپ کی۔" نعیم للچا کر بولا۔

درباری شاعر چمن کے دل میں لالچ بالکل نہیں تھا۔ اللہ کا دیا ان کے پاس بہت کچھ تھا۔ فوراً ہی وہ خط انہوں نے نعیم کے ہاتھ میں دے دیا اور بولے "واقعی یہ انعام پانے کے بعد حق دار تو تم ہی ہو"۔

خط ہاتھ میں آتے ہی نعیم خوشی سے دیوانہ ہو گیا اور تیر کی طرح وزیر کے پاس پہنچا اور خط وزیر کے حوالے کر دیا۔ اور انعام ملنے کا انتظار کرنے لگا اور اسے فوراً ہی انعام مل بھی گیا۔

وزیر نے خط کھولا اس میں صرف اتنا ہی حکم لکھا تھا "خط لانے والے کو فوراً پھانسی دے دی جائے"۔

اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر وزیر نے جلاد کو بلوا کر باشادہ سلامت کے حکم پر عملدر آمد کروا دیا۔

شہد

شہد میں قدرت نے توانائی حیات کا خزانہ فراہم کیا ہے۔ شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ اس کے استعمال سے غذائی طاقت اور بیماری کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس میں بےپناہ شفا رکھی ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات کی رو سے شہد بہترین جراثیم کش ہے۔ بچوں کے اسہال کی شکایت میں بھی شہد بہت مفید ہوتا ہے۔ شہد کھانسی کی دواؤں میں بھی کافی استعمال کیا جاتا ہے۔ شہد تجارتی طور پر بیکری کی اشیا مٹھائیاں، مارمیلڈ اور جام بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شہد کے چھتے سے حاصل شدہ موم سے موم بتیاں اور بوٹ پالش تیار کی جاتی ہے۔ شہد میں وٹامن اے، تھائیامین (THIAMINE)، لوبوفیلون، پائیروڈوکیسن، نکوٹینک ایسڈ، وٹامن ڈی۔ ای اور وٹامن کے (K) موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیس قسم کے کیمیاتی اجزا، شکر، چربی وغیرہ بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی شہد کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہر موسم میں شہد کا رنگ اور ذائقہ منفرد ہوتا ہے کیوں کہ شہد مکھیوں سے حاصل کیا جاتا اور مکھیاں مختلف پھولوں کا رس چوس کر شہد بناتی ہیں۔ ہر موسم میں پھول مختلف ہوتے ہے۔ اس لئے ہر موسم میں حاصل ہونے والا شہد رنگ اور ذائقے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ شہد کے اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم شہد روزانہ کھایا کریں۔

(مرسلہ: محمد عظیم قریشی، اسلام آباد)

انکساری

فضلِ ربی راہی

کسی گلستاں میں گُلِ تر کھلا تھا
بہت خوب صورت، حسیں اور بھلا تھا

بیاباں میں قدرت نے اُس کو کھلایا
سراپا بھی دل کش سا اُس کا بنایا

حسیں رنگ میں خوب ڈوبا ہوا تھا
لباس اس کو قوسِ قزح کا ملا تھا

وہ خوشبو کا پیکر تھا، دل کش بڑا تھا
مگر پھر بھی سر کو جھکائے کھڑا تھا

بہت حق کو مرغوب ہے انکساری
عبادت ہے، اے ساتھیو! خاکساری

ٹماٹر

پھل ہے یا ترکاری

نگہت آرا چوہان

بھئی اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ٹماٹر پھل ہے یا سبزی کیونکہ ہم تو پاکستان میں اس کو بطور سبزی ہی استعمال کرتے ہیں لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک دفعہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ ٹماٹر ہے کیا؟

علمِ نباتیات کی رو سے ٹماٹر پھل ہے۔اس میں شک کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن ٹماٹر کو سوپ، ساس اور کیچ اپ بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کو غذائی اعتبار سے ہم بہت سے طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۹۳ء میں سپریم کورٹ نے ٹماٹر کی درجہ بندی سبزی کے طور پر کردی تھی۔

ابتدا میں جنوبی امریکہ کے ممالک، پیرو، ایکویڈار اور بولیویا میں جنگلی ٹماٹر پیدا ہوتے تھے۔ کرسٹوفر کولمبس کے نئی دنیا دریافت کرنے سے بہت پہلے میکسکو میں ٹماٹروں کی کاشت شروع ہوگئی تھی اور غالباً یہ میکسکو کے ٹماٹر ہی تھے جن کو یورپ کے لوگوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

سب سے پہلے ٹماٹر کی تعریف ۱۵۵۴ء میں اٹلی میں کی گئی تھی جہاں اس کو ''پومی ڈورو'' یا سنہری سیب کہا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ میں جس ٹماٹر کو پہلی بار متعارف کروایا گیا تھا وہ زرد رنگ کا تھا۔ سولہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے انگلینڈ، فرانس، اسپین، اٹلی، اور وسطی یورپ کے ممالک میں ٹماٹر کاشت کئے جانے لگے تھے لیکن لوگ تعجب سے اس کے متعلق سوچا کرتے تھے۔

۱۷۰۰ء کے وسط تک یورپ میں بہت سے لوگ ٹماٹر کو غذا کے طور پر استعمال کرنے لگے تھے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سب سے پہلے ۱۷۸۱ء میں تھامس جیفرسن نے ٹماٹر کاشت کئے تھے۔ تاہم بہت سے لوگ ٹماٹروں کو زہریلا خیال کرتے تھے۔ ۱۹۰۰ء میں ٹماٹر مرغوب غذا بن گئے

تھے۔

ٹماٹر کا پودا آلو اور تمباکو کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بڑھنے میں کافی وقت لگتا ہے۔ روشنی، زرخیز مٹّی کے علاوہ متواتر آب پاشی کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ شمالی یورپ اور شمالی امریکہ میں اس کو موسمِ سرما میں گرم مکانوں کے اندر بھی کاشت کیا جاتا ہے۔ فلوریڈا، ٹیکساس اور میکسیکو میں بھی سردیوں میں ٹماٹر اگایا جاتا ہے، سردیوں میں پیدا ہونے والے ٹماٹروں کو اس وقت توڑ لیا جاتا ہے جب وہ سبز ہوتے ہیں پھر ان کو جہازوں کے ذریعے شمالی منڈیوں میں بھیج دیا جاتا ہے جہاں وہ مارکیٹ تک پہنچتے پہنچتے پک جاتے ہیں۔

اُٹھا کر ہکاٹ کر لے جا رہے ہیں   کہ ورزش ہم ذرا فرما رہے ہیں ۔

نارسی سس

عابد سلطان

ایک یونانی کہانی جو آج بھی زندہ ہے

آج سے کئی سو سال پہلے کی بات ہے کہ یونان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا جس کا نام نارسی سس تھا۔ چونکہ اس زمانے میں اسکول اور کالج نہیں ہوا کرتے تھے اس لئے بچے سارا سارا دن کھیلتے رہتے تھے۔ "نارسی سس" بھی سارا دن کھیلتا ہی رہتا لیکن اسے شکار کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے گاؤں کے پاس ہی ایک بہت گھنا جنگل تھا جو بہت دور تک پہاڑوں پر پھیلا ہوا تھا۔ نارسی سس اکثر دیر تک اس جنگل اور ان درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کو دیکھتا رہتا اور سوچتا رہتا کہ کاش میں کسی روز اس گھنے جنگل میں اندر بہت اندر دور تک چلا جاؤں اور خوب شکار کھیلوں لیکن اسے علم تھا کہ اس کے والدین اسے جنگل میں گھسنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

نارسی سس اگرچہ یونان کا حسین ترین لڑکا تھا اور جو کوئی بھی اسے دیکھتا خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس سے محبت کرتا اور دوستی کرنے کی کوشش کرتا لیکن نارسی سس بہت ہی بد مزاج ، چڑچڑا اور بد نیت تھا۔ وہ کسی سے ہنس کر بات تک نہ کرتا۔ وہ بہت مغرور تھا اور اپنے سوا اسے کسی سے محبت نہیں تھی۔ اسی لئے وہ کسی کو دوست بھی نہیں بناتا تھا۔ ایک دن موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں اور جنگل بہت نکھرا نکھرا اور سرسبز دکھائی دے رہا تھا۔ نارسی سس نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا اور اپنے تیر اور کمان لے کر چپکے سے گھر سے نکل آیا۔ اس پر خوف، خوشی اور سنسنی کے ملے جلے جذبات طاری تھے۔ دراصل کل رات اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح ان گھنے جنگلوں میں بہت دور تک اکیلا شکار کھیلنے جائے گا۔ گھر میں کسی کو کچھ بتائے بغیر وہ تیز تیز چلتا ہوا گاؤں سے باہر آگیا۔ اب اس کے سامنے گھنا اور تاریک جنگل تھا جس میں دیار اور شاہ بلوط کے بلند و بالا درخت بھی تھے اور پستہ قد کانٹے دار جھاڑیاں بھی۔ جس میں میٹھی آوازوں اور خوبصورت پروں والے پرندے بھی تھے اور خوفناک وحشی درندے بھی۔ لیکن بہرحال نارسی سس ایک بہادر لڑکا تھا۔ چنانچہ بے خوف ہو کر آگے ہی آگے چلتا رہا۔ وہ جنگل میں بہت دور نکل آیا تھا۔ یہاں تک کوئی بھی نہیں آتا تھا۔ اس نے بے شمار عجیب و غریب پرندے اور جانور دیکھے ۔ کئی ایسے درخت اور پودے دیکھے جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بعض پودوں پر خوبصورت ننھے ننھے پھل بھی تھے لیکن اس نے بڑوں سے سن رکھا تھا کہ جنگل میں اکثر پودوں کے پھل زہریلے ہوتے ہیں چنانچہ وہ ان جنگلی پھلوں اور پھولوں کو دور ہی سے دیکھتا رہا اور چلتا رہا۔

اب وہ جنگل کے اندر ہی اندر اتنی دور نکل آیا تھا کہ اسے خوف سا محسوس ہونے لگا۔ یکایک اسے احساس ہوا کہ وہ واپسی کا راستہ بھول چکا ہے۔ اس احساس نے اس پر بہت زیادہ خوف طاری کر دیا۔ اس نے گھوم کر چاروں طرف دیکھا لیکن اس کے چاروں طرف بلند و بالا درخت اور کانٹے دار جھاڑیاں ہی پھیلی ہوئی تھیں۔ راستہ کوئی نہیں تھا۔ وہ حیران و پریشان کھڑا رہا۔ اور دل ہی دل میں خود کو بُرا بھلا کہنے لگا کہ اکیلا اتنی دور کیوں آیا۔ ذرا دیر بعد اسے بھوک اور پیاس محسوس ہوئی۔ وہ پھر ایک سمت چل پڑا۔ ذرا سا چلنے کے بعد اسے ایک جگہ انگور کی بیل نظر آئی۔ جس پر پکے ہوئے انگور کے بڑے بڑے خوشے لٹک رہے تھے۔ وہ ایک بندر کی سی تیزی سے ایک بیل پر چڑھا اور چار پانچ بڑے بڑے خوشے انگور کے توڑ کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھانے لگا۔ بہت مزہ آیا۔ انگور کھانے کے بعد پیاس محسوس ہوئی۔ اس جنگل میں پانی تلاش کرنا آسان کام نہ تھا۔ کافی دیر تک بھٹکنے کے بعد اسے ایک میٹھے پانی کا چشمہ ملا۔ خوب سیر ہو کر پانی پینے کے بعد اس نے دوبارہ واپسی کا راستہ

تلاش کرنا شروع کر دیا۔ لیکن بے سود۔ وہ جس طرف بھی جاتا اسے بے شمار درخت کھڑے ملتے جیسے ساری دنیا پر درخت اگ آئے ہوں۔ وہ بیچارہ بھاگتا دوڑتا رہا۔ یہاں تک کہ تھکن سے سارا جسم چوُر ہو گیا۔ دن بھی ڈھلنے والا تھا اور سورج بھی غروب ہونے کے قریب تھا۔ جنگل میں ایک گہری تاریکی چھانے والی تھی۔ رات سر پر آگئی تھی اور وہ اس خوفناک جنگل میں بالکل اکیلا تھا۔ تھک ہار کر وہ اس طرف چل پڑا جہاں سے اسے پانی بہنے کی آواز آرہی تھی۔ یہاں پر درخت کم ہو گئے تھے اور سامنے ایک بڑی اور گہری جھیل تھی۔ نارسی سس جھیل کے کنارے بیٹھ کر رونے لگا۔ گرم گرم آنسو اس کے سرخ رخساروں پر بہنے لگے۔ خاموش جنگل میں اس کی ہچکیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اسے اپنا گھر اور اپنے ماں باپ یاد آرہے تھے۔ روتے روتے پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

جب نارسی سس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ سورج کی روشنی میں تمام ماحول روشن تھا۔ ہر چیز بہت خوبصورت اور نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ نارسی سس کو پیاس لگ رہی تھی۔ جب وہ گھٹنوں کے بل جھک کر جھیل سے پانی پینے لگا تو یکایک اسے جھیل کے صاف شفاف پانی میں اپنا عکس دکھائی دیا۔ وہ اپنا حسین چہرہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ اتنا خوبصورت ہے۔ اس کے سرخ بال ریشم کی طرح ملائم تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں جھیل کی طرح نیلی تھیں۔ اس کے رخسار چیری کی طرح سرخ تھے۔ اس کے دانت برف کی طرح سفید تھے۔ وہ یونان کا سب سے حسین ترین لڑکا تھا۔ بالکل یونانی شہزادوں کی طرح حسین۔ اسے اپنے آپ پر بے حد پیار آیا۔ جھیل کے شفاف پانی میں اپنے حسین چہرے کے عکس کو ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھتا رہا۔ اسے اپنے چہرے سے پیار ہو گیا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔

نارسی سس مسلسل اپنے چہرے کو تکتا رہا۔ دوپہر ہو گئی، سہ پہر گزر گئی، شام آگئی، رات چھائی اور گول، روشن چمکدار چاند پہاڑوں کے عقب سے نکلا اور کالے آسمان پر سفر کرنے لگا، جنگل رات کی تاریکی اور سناٹے میں سو گیا لیکن نارسی سس اسی طرح، بغیر آنکھیں جھپکے جھیل کے شفاف پانی میں اپنے خوبصورت چہرے کے عکس کو تکتا رہا۔ گھنٹے گزر گئے، دن گزر گئے، ہفتے گزر گئے، مہینے گزر گئے لیکن نارسی سس کی حالت اور استغراق میں کوئی فرق نہ آیا۔

اسی حالت میں، گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے،

کرائے کا گھر

زندگی کرائے کا گھر ہے جہاں لوگ آتے جاتے ہیں۔ مگر کوئی کرایہ دے کر جاتا ہے اور کچھ لوگوں پر کرایہ قرض ہوتا ہے۔ کوشش کیجئے کہ آپ پر کرایہ قرض نہ ہونے پائے۔

(مرسلہ۔ اکمل شاکر پسنی مکران)

چُلّو میں پانی بھرے، جھیل کے صاف شفاف پانی میں اپنا عکس دیکھتے دیکھتے پتہ نہیں کب نارسی سس مر گیا تھا۔ دن ہفتے اور مہینے گزر گئے۔ یہاں تک کہ نارسی سس کا جسم خاک ہو کر جھیل کے کنارے خاک میں مل گیا۔

اگلے سال بہار میں جب سارا جنگل رنگا رنگ جنگلی پھولوں سے بھر گیا تو جھیل کے کنارے، اس جگہ پر جہاں نارسی سس کا جسم خاک ہو کر زمین پر بکھر گیا تھا، ایک بہت ہی خوبصورت، دلکش اور خوشبودار پھول اگ آیا۔ لوگوں نے اس پھول کا نام بھی نارسی سس رکھ دیا۔ آج دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں نارسی سس نامی پھول اگتا ہے اور لوگ اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جنہیں اپنی ذات سے بہت محبت رہتی ہے اور جو ہر وقت اپنی ہی باتیں کرتے رہتے ہیں، ماہرین نفسیات انہیں نارسی سس کے نام کی بیماری میں مبتلا قرار دیتے ہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے۔

آپ کو "نارسی سس" پھول کی کہانی تو معلوم ہو گئی لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نارسی سس وہی پھول ہے جس کو ہم اور آپ "گُلِ نرگس" کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے آپ کو تمام وقت دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی شخصیت کو نرگس کہا جاتا ہے۔

ثروت گُنی

زندگی اے زندگی

○ ...... جو لوگ زندگی کو ایک مقدس فریضہ سمجھ کر بسر کرتے ہیں وہ کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ (حضرت داؤدؑ)

○ ...... ہوشیار رہو کہ زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور یہ فریبی شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

○ ...... جب تم زندگی کے اسرار حل کر چکو گے تو موت کا شوق پیدا ہو گا کیوں کہ موت بھی زندگی کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ (خلیل جبران)

زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔
خوف مرگ۔ شدت مرض اور ذلت قرض۔
(بو علی سیناؒ)

○ ...... اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی۔ (علامہ اقبالؒ)

○ ...... شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے۔ (سلطان ٹیپوؒ شہید)

○ ...... زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر قابو پانا ہے اگر نفس نے دل پر فتح پالی تو سمجھو دل مردہ ہے۔ (ارسطو)

○ ...... زندگی کا وقفہ نہایت قلیل ہے اگر مصیبت ہو تو یہ کافی طویل ہے۔ (سقراط)

○ ...... زندگی جب تک نیک کاموں کا ذریعہ نہ ہو، شائستہ نہیں کہی جا سکتی۔ (افلاطون)

○ ...... زندگی بغیر محنت کے مصیبت اور بغیر عقل کے حیوانیت ہے۔ (بطلیموس)

○ ...... زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ہمیشہ کا عذاب یا راحت اسی پر مرتب ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانیؒ)

مرسلہ۔ نعیم عزیز، کراچی

خالد خلیل

PHOTOGRAPHIC

دوستی میں مت اطر رہو تم
اور جھوٹوں سے جان بچاؤ
جس میں اچھی باتیں دیکھو
سر آنکھوں پہ اُسے بٹھاؤ

یہ کچھوا ہے بھائی کبوتر نہیں ہے
چلو تیرے دعوے کو ہم نے بھی مانا
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانا

نانی امّاں آتی ہیں
دانہ دنکا لاتی ہیں
بھاگے دوڑے جاتے ہیں
ہم سب مل کر کھاتے ہیں

بولتی میّت

پروفیسر عنایت علی خان

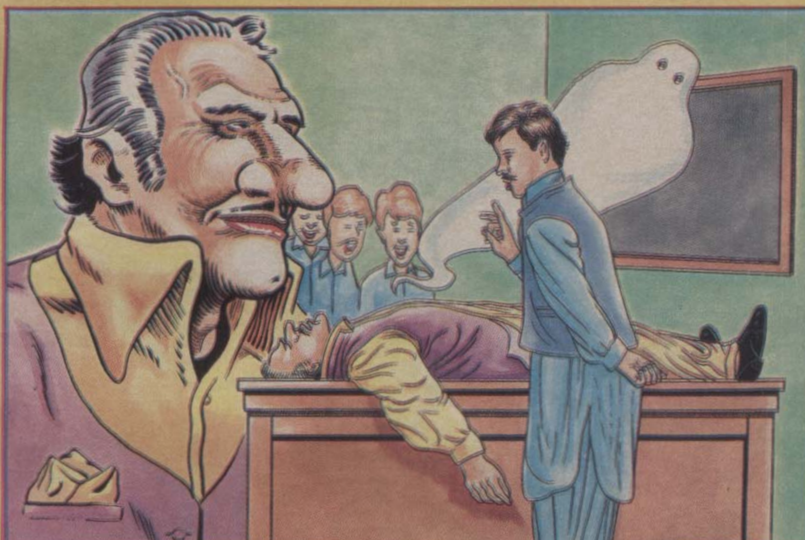

استاد ـــ بچّو! تمہیں معلوم ہے نا کہ آج اسکول کا معائنہ یعنی انسپکشن ہے۔

بچے ـــ یس سر!

استاد ـــ تو دیکھو تمیز سے بیٹھنا اور انسپکٹر صاحب جو بھی سوال کریں اس کا سلیقے سے جواب دینا۔

بچے ـــ یس سر!

ایک بچہ۔ لیکن سر وہ پوچھیں گے کیا؟

استاد ـــ تمہارے کورس میں ہی سے کچھ پوچھیں گے۔ جو بھی پوچھیں گے جسے معلوم ہو ہاتھ اٹھادے اور سلیقے سے جواب دے۔ دیکھو وہ آرہے ہیں۔ ادب سے بیٹھ جاؤ!

انسپکٹر ـــ السلام علیکم بچو!

بچے۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

انسپکٹر ـــ ماشاء اللہ ماشاء اللہ! آپ لوگوں نے سلام کا بالکل صحیح جواب دیا۔ قرآن شریف میں یہی آیا ہے کہ جب تمہیں کوئی سلام کرے

توانہیں الفاظ میں یا اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دو یعنی وعلیکم السلام کہو یا ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کر کے وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہو۔ معلوم ہوتا ہے آپ کے استاد صاحب نے آپ کو یہ بات سکھائی ہے۔ کیوں صحیح ہے نا؟

بچہ — یس سر! ہمارے سر نے ہمیں بہت ساری اچھی اچھی باتیں سکھائی ہیں۔ نماز بھی سکھائی ہے۔ انسپکٹر...... نماز یا نمازیں؟ کورس میں تو نماز نہیں نمازیں ہیں۔ جمعے کی نماز، عید کی نماز، جنازے کی نماز...... (استاد سے مخاطب ہو کر) ماسٹر صاحب! آپ نے یہ سب نمازیں سکھادی ہیں ان کو؟

استاد — جی جناب تقریباً سب سکھلا دی ہیں نماز استسقا بھی۔

انسپکٹر — تقریباً سے کیا مراد ہے؟

استاد — (ذرا تکلف کے ساتھ) مطلب یہ ہے کہ ضروری ضروری تو سب سکھا دی ہیں۔

انسپکٹر — آپ کا خیال ہے کچھ نمازیں غیر ضروری بھی ہوتی ہیں؟

استاد — جی نہیں! غیر ضروری تو کوئی نہیں ہوتیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جو نمازیں عام طور پر پڑھی جاتی ہیں وہ تو سکھادی ہیں۔

انسپکٹر — اور جو خاص طور پر پڑھی جاتی ہیں مثلاً نماز جنازہ؟ بچو! نماز جنازہ جانتے ہو۔

ایک بچہ۔ یس سر! نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ محلے کے چند لوگ پڑھ لیں تو سب کی طرف سے ہو جاتی ہے اور کوئی بھی نہ پڑھے تو سب کو عذاب ہوتا ہے۔

انسپکٹر — شاباش! اچھا نماز جنازہ کی دعا بھی یاد ہے؟

(بچے خاموش رہتے ہیں)

انسپکٹر — کس کو یاد نہیں؟

(بچے اب بھی خاموش رہتے ہیں)

انسپکٹر — معلوم ہوتا ہے سر نے یاد نہیں کرائی۔ کیوں ماس ساب؟

استاد — سر میں عرض کر رہا تھا نہ کہ جو جو نمازیں بچے پڑھتے ہیں وہ تو............

انسپکٹر — کیوں بھلا بچے اگر نماز جنازہ پڑھ لیں تو کوئی حرج ہے؟

استاد — اس میں حرج تو کوئی نہیں مگر عام طور پر بچے پڑھتے نہیں ہیں۔

انسپکٹر — کیوں نہیں پڑھتے! کس نے منع کیا ہے بچوں کو نماز جنازہ نہ پڑھیں؟ آج نہیں کل پڑھیں گے؟ کورس میں تو ہے نا؟

استاد — نہیں سر! میرا مطلب ہے ....!!

انسپکٹر — بتلائیے کیا مطلب ہے آپ کا؟

استاد — میں اب سکھلادوں گا۔

انسپکٹر — اب آپ کے پاس وقت کہاں ہے۔ اب تک تو کورس پورا ہو جانا تھا۔ اب

سکھائیں گے۔

استاد ــ نہیں سر! بچے ماشاء اللہ ہوشیار ہیں، ایک ہی پیریڈ میں یاد کرلیں گے۔ آج ہی سکھا دوں گا۔

انسپکٹر ــ آج ہی ؟

استاد ــ جی آج ہی بلکہ اسی پیریڈ میں آپ دوسری کلاسوں کا معائنہ کر کے تشریف لائیں۔ چند بچے آپ کو ضرور سنادیں گے۔ باقی سب چیزیں بھی ایک ایک پیریڈ میں یاد کی ہیں۔

انسپکٹر ــ پھر نمازِ جنازہ کی دعا کیوں یاد نہیں کی؟ معلوم ہوتا ہے وہ خود آپ کو بھی یاد نہیں، کیوں؟

استاد ــ سربات یہ ہے کہ میں تو ان کا حساب کا استاد ہوں۔ دینیات کے استاد تو دوسرے ہیں اور وہ ان دنوں چھٹی پر گئے ہوئے ہیں۔

انسپکٹر ــ ٹھیک ہے آپ حساب کے استاد ہیں لیکن ہیں تو مسلمان نا! جنازے کی دعا یاد تو آپ کو بھی ہونا چاہئے۔ (ذرا رک کر)

استاد ــ ویسے یاد تو ہے لیکن ......!

انسپکٹر ــ یاد ہے تو ذرا سنائیں!

استاد ــ اَللّٰھُمَّ اِنَّا......

انسپکٹر ــ نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ......!

استاد ــ نہیں نہیں! یہ تو دعائے قنوت ہے۔

انسپکٹر ــ جی میں نے آپ سے جنازے کی دعا سنانے کو کہا ہے۔

استاد ــ اَللّٰھُمَّ اِنِّی لَکَ ....

انسپکٹر ــ جی نہیں لَکَ صُمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ کا مہینہ بھی ختم ہوا یعنی افطار کی دعا کا۔ یاد نہیں آپ کو جنازے کی دعا!

استاد ــ جی نہیں یاد تو ہے مگر......

انسپکٹر ــ مگر کیا؟ یاد ہے تو سنائیں۔ آپ تو کبھی دعائے قنوت سناتے ہیں اور کبھی افطار کی دعا۔

استاد ــ سربات یہ ہے نا کہ بعض دعائیں موقعہ پر خود بہ خود یاد آجاتی ہیں جیسے دوزانو ہو کر بیٹھیں تو التحیات خود بخود زبان پر جاری ہو جاتی ہے۔

انسپکٹر ــ اس کا مطلب ہے کہ آپ کو جنازے کی دعا یاد تو ہے لیکن زبان پر نہیں آرہی۔

استاد ــ جی جناب!

انسپکٹر ــ اور اگر آپ کے سامنے میت رکھی ہو تو خود بخود یاد آجائے گی؟

استاد ــ یس سر!

انسپکٹر ــ تو میں آپ کے سامنے اس میز پر لیٹ جاتا ہوں آپ مجھے میت سمجھئے اور ہاتھ باندھ کو کھڑے ہو جایئے پھر تو یاد آجائے گی؟

استاد ــ جی ہاں جی ہاں!

انسپکٹر ــ تو لیجئے، میں لیٹے جاتا ہوں ...... اوں، اونہہ، یہ لیجئے میں لیٹ گیا اب سنایئے۔

(بچوں کی آہستہ آہستہ ہنسنے کی آواز)

استاد ــ (غصے سے) سائی لینٹ!

(بچے خاموش ہو جاتے ہیں)

انسپکٹر ــ بس سنائیے دعا!

استاد ــ اَللّٰھُمَّ اَللّٰھُمَّ اِنّا اَللّٰھُمَّ اِنّی

انسپکٹر ــ (نفی میں) اونہوں اونہوں!

استاد ــ سر! آپ ذرا خاموشی سے لیٹے رہیے نا پلیز! میں ابھی سنا دیتا ہوں۔

انسپکٹر ــ جی بہتر ہے مگر اب جلدی سے سنا بھی دیں۔

استاد ــ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا،

انسپکٹر ــ اونہوں!

استاد ــ سر! پلیز آپ خاموش تو رہیں۔

انسپکٹر ــ جی اچھا لیکن میں کب تک اس طرح میت بنا پڑا رہوں گا۔

(بچوں کی ہنسنے کی آواز)

(استاد بچوں سے) سائی لینٹ!

(بچے خاموش ہو جاتے ہیں)

استاد ــ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ حَیّتِنَا......

انسپکٹر ــ حَیّتِنَا نہیں حَیِّنَا!

استاد ــ ہاں لِحَیِّنَا مگر آپ خاموش تو رہیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَمَیِّتِنَا وَمَیِّتِنَا حُیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَمَیِّتِنَا وَحَیِّتِنَا......

انسپکٹر ــ (اٹھتے ہوئے) نہیں جی آپ کو درست یاد نہیں، برابر بھولے جا رہے ہیں!

استاد ــ سر میت بھی تو درست نہیں ہے۔ برابر بولے جا رہی ہے۔

انسپکٹر بھی ہنس پڑتے ہیں۔

(بچوں کا بھرپور قہقہہ)

آتش فشانی دھماکہ

دنیا کا سب سے بڑا آتش فشانی دھماکہ سماٹرا اور جاوا کے درمیان واقع ایک جزیرے سنڈر اسٹریٹ پر ۲۷ اگست ۱۸۸۳ کو ہوا۔ کرا کاٹو کا آتش فشاں اس دن اچانک ایک عظیم دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا۔ یہ دھماکہ آج کل کے ۲۶ ایٹم بموں کے مشترکہ دھماکے کے برابر تصور کیا جاتا ہے۔ چٹانیں اور راکھ بارہ میل دور تک اُڑ اُڑ کر گرتی رہی۔ آدھا جزیرہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا۔ ۱۶۰ دیہات تباہ ہو گئے اور تقریباً ۳۶۰۰۰ انسان ۲۰ افٹ اونچی دھماکے سے پیدا شدہ لہروں کی زد میں آ کر مارے گئے۔ دھماکے کی آواز چار گھنٹے بعد تین ہزار میل دور تک سنی گئی۔ مٹی اور راکھ تک سنگاپور اور جنوبی جاوا پر گرتی رہی۔ دھماکے سے پیدا شدہ بادل ساری دنیا کے گرد شمالی یورپ تک چھا گئے اور سورج اس دھوئیں میں چھپ گیا۔ دھماکے دو دن تک جاری رہے۔ جزیرے کے اونچے ترین مقام پر شگاف پڑ گیا جسے بعد میں سمندر نے بھر دیا۔ باقی حصے کو راکھ اور شدید گرم لاوے نے ڈھک دیا۔ اس جزیرے پر صرف ایک جاندار باقی رہا جو ایک بندر یا تھی وہ بُری طرح زخمی تھی مگر زندہ بچ گئی۔

مرسلہ: سیّد عدنان یوسف۔ کراچی۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

"محبّت کا صلہ" محمد فیصل بشیر، کریم پورہ۔ "سبق آموز خواب" حسین، سجاد ایبٹ آباد۔ "حقِ اطفال" (نظم) ندیم حیدر رضوی، کراچی۔ "اسٹیٹس" عمران شفیع، کراچی۔ "حقوقِ اطفال" (نظم) آصف وقار، واہ کینٹ۔ "ہم کہاں جائیں" آصف وقار آصف، واہ کینٹ "چھوٹا" غلام حسین میمن، حیدر آباد۔ "صدائے اطفال" (نظم) عمران حسین مغل (؟) "ہم اپنے مستقبل سے کیسا سلوک کر رہے ہیں" کیپٹن کے ایچ جتوئی، جیکب آباد۔ "ریل کا سفر" ہارون ملک، لاہور۔ "آنکھ مچولی کا خاص نمبر (نظم) محمد شفیق انجم، ملتان۔ "آنکھ مچولی کی کرامات" راحیل پرویز، آزاد کشمیر۔ "حقوقِ اطفال نمبر" نور حسین مری، میرپور خاص۔ "سچ" سیّدہ نرجس تنویر، کراچی۔ "حقوقِ اطفال نمبر" چوہدری محمد قاسم گورایہ، گوجرانوالہ۔ "مغرور کا انجام" امینہ ناز، کراچی۔ "ہم ہمّت نہیں ہاریں گے" رانا عبدالمجید شاہین، خانیوال۔ "بچّوں کے حقوق" ندیم حیدر رضوی، کورنگی روڈ۔ کراچی "نافرمانی کی سزا" عبداللہ سگو، بہاول نگر۔ "قرار دادِ حقوقِ اطفال" جہانزیب احمد صدیقی، حیدر آباد سندھ۔ "بچّوں کہنا بڑوں کا مانو" قرۃ العین ناصر خان، سرسیّد ٹاؤن۔ نارتھ کراچی، کراچی۔ "عید الفطر" بشیر احمد دشتی، تربت۔ "بے ہنر پہلوان" مختار احمد، تلہ گنگ۔ "اکبر کا انتقام" رضوان ارشد، کھاریاں۔ "بہادر انسپکٹر" سیّد صولت علی جعفری، حیدر آباد۔ "دین کی عزّت" محمد ناصر قریشی، بنوں۔

"سونے کی مورتی" زرتاش مسعود، نوابشاہ۔ "چڑیا (نظم) چکلالہ۔ "سچّی محبت" (؟) "مچھر کا کمال" ساجد فرید، بھکر۔ عید قربان، شہریار گل، امڑیایان (پشاور) "فیصلہ" خالد احمد، پشاور "اچھی نصیحت ملی" "ذراسی غلطی" خالد احمد، پشاور۔ "ادلے کا بدلہ" "وجہ"، حسیب، رحیم یار خان۔ "طوطے کا انصاف" خالد بشیر، پشاور۔ "ناشکری کی سزا" ناور حسین عبد الوحید، میرپور خاص۔ "ایک کہانی ایک حقیقت" شفیق ناز بریلوی، کراچی۔ "ہائے یہ اپریل فول" فوزیہ صابر حسین شیخ، حیدر آباد۔ "پیارا رسالہ" نور حسین مری، میرپور خاص۔ "ہیروئین کے عادی" "ناگن کا انتقام" محمد سلیم، چکوال۔

"واپسی" ۔ منیر احمد، کراچی۔ "زندہ قبرستان" ۔ قیصر مسعود قریشی (نامعلوم مقام)۔ "گرمی کی رت" ۔ محمد کاشف شیخ، کراچی۔ "اے پاکستان" ۔ طاہر حسین، جھمرہ سٹی۔ "روپیہ اور آدمی" ۔ حیدر علی پنہور، سندھ۔ "پتنگ عذابِ جان" ۔ محمد اعظم خان، کراچی۔ "معلومات" "عقلمند بیوی" ۔ عبدالغیاث، دالبندین۔ "کشمیر کی وجۂ تسمیہ" ۔ محمد شکیل، راجدھانی۔ "دوستی" ۔ عنایت اللہ اعوان، کندھ کوٹ۔ "ننھا فرشتہ" ۔ فہیم عنایت شیخ، کراچی۔ "سچ اور جھوٹ" ۔ خالد خان (نامعلوم مقام)۔ "جینا محال ہے" ۔ افتخار احمد، اٹک۔ "وہ ہاتھ جو وقت کے بعد اُٹھا" ۔ جاوید اقبال رضا، خانیوال۔ "وطن کی محبّت" ۔ نعمان عزیز، کراچی۔ "عدل و انصاف" عدیل محمد خان، حیدر آباد۔ "بُرا نہ مانیئے" ۔ مدیحہ سلطان، (نامعلوم مقام)۔ "دوستی" ۔ سہیل احمد جدون، کراچی۔ "مستقبل کے سائنس دان" ۔ عمران اکرام شیخ، نواب شاہ۔ "کالا جسم" ۔ محمد انور ساجد بلوچ، گوادر بلوچستان۔ "بد دُعا کا اثر" ۔ عاصم بیگ، کراچی۔ "غریب کا لہو" ۔ صغیر میتو، لاڑکانہ سندھ۔ "پہلا سورج کچھ یوں بھی" ۔ کیڈٹ امجد حسین، سرائے عالمگیر جہلم۔

ایک رات کی بات

نیّر ندیم

کل رات آسماں میں
پریوں کے آستاں میں

تارے چمک رہے تھے
ہیرے دمک رہے تھے

میں بھی وہاں گیا تھا
چپکا کھڑا ہوا تھا

دیکھا کہ ایک طوطا
دولہا بنا ہوا تھا

چھوٹا سا ایک چوہا
گانے سنا رہا تھا

پھر آنکھ کُھل گئی تھی
اور صبح ہو چکی تھی

بڑا کام

شگفتہ شمیم

شام کا سہانا سماں تھا۔ وانگ کے دوست دریا کے کِنارے کھیلنے کودنے میں مگن تھے اور وہ خود ان سب سے دور ایک طرف ٹھنڈی گیلی ریت پر اپنے خیالوں میں مگن بیٹھا تھا۔ اس کے دوستوں نے کھیل کے دوران کئی بار پُکار کر اسے بھی شامل ہونے کی پیشکش کی مگر وانگ سب باتوں سے بے نیاز بیٹھا رہا۔ اسے تو آج نہ دریا کی ٹھنڈی ہوا مُتاثر کر رہی تھی اور نہ سامنے کِھلے سرخ و سفید پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اور نہ ہی دوستوں کا مزے دار کھیل۔

سورج مغربی آسمان کے کونے پر پہنچ کر سرخ رنگ کے تھال کی مانند چمکنے لگا تو بچے کھیل بند کر کے اپنے اپنے گھروں کی جانب جانے لگے۔ وانگ کے دوست مانگ نے پلٹ کر تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا اور اُچھلتا ہوا قریب چلا آیا۔

"ارے کیا بات ہے وانگز! گھر نہیں جانا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہوں!" وانگ اپنے خیالوں سے چونک گیا۔ "ہاں چلتا ہوں۔" اس نے بڑی بڑی آنکھیں گھما کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اُداسی سے بولا۔

"آج کا دن بھی گزر گیا۔"

"تو کیا ہوا۔ تمہیں کسی کا انتظار تھا ؟"

"نہیں تو...... " وانگ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ چلو گھر چلتے ہیں۔"

اس نے پیر زور زور سے ہلا کر ان پر لگی کیچڑ جھاڑی اور آہستہ آہستہ اُچھلتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔

وانگ ایک بہت پیارا سا مینڈک تھا۔ دریا کے کنارے رہنے والے سب مینڈکوں سے تھوڑا سا مختلف۔ اس کی سیاہی مائل سبز جلد پر چمکدار کالے رنگ کے دھبے بنے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی روشن سیاہ آنکھیں اور ذرا سا لمبوترا دہانہ۔ وانگ عادت اور خصلت میں بھی دوسرے مینڈکوں سے مختلف تھا۔ ہر کام وقت پر کرنے کا عادی۔ دریا کے کنارے سارا سارا دن کھیلتے ہوئے مینڈکوں کو دیکھ کر اسے بے حد غصّہ آتا کہ یہ سب کیسے اپنا وقت برباد کرتے رہتے ہیں۔ وانگ صرف شام کو کھیلتا تھا۔ باقی وقت مختلف قسم کے کام کرتا یا پھر گھونگھے دادا کے پاس بیٹھ کر عقل و دانش کی باتیں سیکھتا۔

گھونگھے دادا جب وانگ کو اچھی اچھی باتیں بتاتے تو وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے سُنتا۔ وہ اسے بتاتے کہ اللہ میاں نے ہمیں جو زندگی بخشی ہے وہ بہت قیمتی ہے۔ اسے بے کار کے کاموں میں پڑ کر ضائع کرنے کے بجائے اچھے اچھے کام کر کے گزارنا چاہئے اور زندگی کا اصل مقصد تو اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب ہم اپنے بارے میں سوچنے کے بجائے دوسروں کے بارے میں سوچیں اور دوسروں کے کام آئیں۔

وانگ گھونگھے دادا کی نصیحتیں نہ صرف سُنتا بلکہ ان پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتا۔ چاچا جھنگو مینڈک کو دریا کی مٹی اٹھا کر دیتا تاکہ جلد از جلد ان کا گھر بن جائے تو کبھی ماسی چُھچھندر کے بچّوں کو گھر پہنچا کر آتا۔ ماسی چُھچھندر کے بچے بھی ایک نمبر کے بُدھو ہوتے۔ جب تک ان کی امّاں جان کی دُم ان کے منہ میں رہتی وہ ان کے پیچھے پیچھے گھومتے رہتے اور جہاں دُم منہ سے چُھوٹی، وہیں پر ڈھیر ہو کر رہ جاتے یا ٹامک ٹوئیاں مارنے لگتے اور ماسی چُھچھندر بچّوں کی خیر خبر لئے بغیر آرام سے گھر جا بیٹھتیں۔ وانگ کئی بار انہیں سمجھا چکا تھا کہ ماسی کم از کم اپنے بچّوں کا تو خیال رکھا کرو۔

ایک دن وانگ ماسی چُھچھندر کے چھوٹے بیٹے کو گھر پہنچا کر غصّے میں بھرا ہوا گھونگھے دادا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کی گود میں ڈھیر سارے عجیب وغریب پتّھر پڑے ہوئے تھے جنہیں وہ باری باری اُٹھا کر بڑے غور سے دیکھتے پھر اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھتے۔ جب بڑی دیر تک وانگ کچھ نہیں بولا تو انہوں نے سر اُٹھا کر وانگ کی طرف دیکھا۔ وانگ کے چہرے پر غصّے کی جھلک انہیں صاف نظر آ گئی۔

ان کے چہرے پر شفیق سی مُسکراہٹ پھیل

گئی۔ انہوں نے غصّے کا سبب پوچھا تو وانگ پھٹ پڑا۔

"ماسی چُھچھوندر کی وجہ سے غصّہ آرہا ہے دادا۔ اسے اپنے بچّوں کی پروا ہی نہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ کچھ لوگ بڑے لاپرواہ ہوتے ہیں۔" وہ شفقت سے بولے۔

"مگر تمہیں اس سے کیا مطلب۔ کیا تم بچّوں کو گھر پہنچانے سے تھک جاتے ہو۔؟" "نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں دادا۔" وانگ جھینپ گیا۔ "یہ کون سا بڑا کام ہے۔ آپ بھی خواہ مخواہ ہی ......"

دادا کو وانگ کی حالت پر ہنسی آنے لگی۔

"یہ بھی تم نے خوب کہی ...... ویسے وانگ تم نے کبھی کوئی بڑا کام کیا ہے؟" وہ اچانک سنجیدہ ہو کر بولے "بڑا کام؟"

"ہاں ...... یا یوں کہہ لو کہ کوئی نمایاں کام۔"

وانگ کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر دادا پھر بولے۔

"بھئی دیکھو نا کسی کے چھوٹے موٹے کام کر دینا یا کسی بچّے کو اس کے گھر پہنچا دینا، یہ سب تو بہت معمولی کام ہیں جو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ مگر کیا تم نے کوئی ایسا بڑا کام کیا ہے جو کسی نے بھی نہ کیا ہو؟

ہوں ......! بولو وانگ۔ جواب دو؟" وانگ کو خاموش دیکھ کر گھونگھے دادا اصرار کرنے لگے تو وانگ خاموشی سے اُٹھ کر جانے لگا۔

"میری بات کا جواب دیئے بغیر جا رہے ہو ؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اس لئے جا رہا ہوں دادا کہ میرے پاس آپ کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

وانگ گھونگھے دادا کے گھر سے نکل کر جنگلی پودوں کے ایک جُھنڈ کی سمت بڑھنے لگا۔ اسے سخت افسوس ہو رہا تھا کہ آج وہ گھونگھے دادا کے سامنے لاجواب ہو گیا تھا۔ گھونگھے دادا جو اسے سب سے اچھا مینڈک سمجھتے تھے اور جن کی زبان وانگ کی تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھی، آج وانگ سے کیسا سوال کر بیٹھے تھے۔

"اچھا ہوا وانگ! تمہارے غرور کی یہی سزا ہونی چاہئے تھی۔" وانگ نے ایک جنگلی گُلاب کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے خود کو کوسا۔ "جب سے تمہیں راجہ کا خطاب ملا ہے، تمہارا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا رہتا ہے۔ آج تمہارے غرور کا بُت پاش پاش ہو گیا نا۔"

وانگ کو پچھلے مہینے کی چودہ تاریخ والا مقابلہ یاد آگیا جس میں اسے سب سے اُونچی چھلانگ لگانے پر راجہ کا خطاب ملا تھا۔ وہ کتنا پیارا منظر تھا۔ وانگ کو آج اتنے دن گزرنے کے باوجود اس مقابلے کا ایک ایک منظر یاد تھا۔ اس رات آسمان پر چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا اور دریا کے کنارے کی سفید مٹّی چاندی کے ذرّوں کی طرح جھل مل کر رہی تھی۔ وانگ کے علاوہ چھ سات مینڈک ایک قطار

میں کھڑے مقابلہ شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ مقابلے کے آغاز کے ساتھ ہی گاؤں کے بوڑھے مینڈک نے ایک دو تین کہا اور وانگ نے اپنے پھیپھڑوں میں بہت ساری ہوا بھر کر پوری قوت سے چھلانگ لگا دی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ایک تیز آندھی قریب سے گزر گئی ہو۔ وانگ زمین پر واپس آیا تو اس کی آنکھیں بند تھیں اور بوڑھے مینڈک کی آواز آرہی تھی۔ انہوں نے وانگ کو نمبر ون کو قرار دیا تھا۔ سب شور مچاتے ہوئے وانگ کی طرف لپکے۔ کچھ دیر بعد وانگ اپنے دوستوں میں گھرا ہوا خوش خوش کھڑا تھا اور سب نعرے لگا رہے تھے۔ "وانگ راجہ زندہ باد۔ وانگ راجہ زندہ باد۔"

"وانگ راجہ"...... وانگ طنزیہ لہجے میں بڑبڑایا۔

"میں راجہ ہوں۔ ایسے ہوتے ہیں راجہ...... کتنا فخر تھا مجھے اپنے راجہ ہونے پر اور ہاں میں نے تو مُقابلے کے اختتام پر سب کی فرمائش پر ایک گانا بھی سنایا تھا۔

وانگ کو اس دن کی ایک ایک بات یاد آنے لگی اور ہر بات کے اختتام پر وہ طنزیہ لہجے میں کہتا۔ "میں راجہ ہوں۔ ایسے ہوتے ہیں راجہ!" اس کا ننّھا سا حسّاس دل گھونگھے دادا کی بات پر اس قدر شرمندہ تھا کہ وہ اتنی گرم دوپہر میں گھر جانے کے بجائے وہیں ایک گول پتھر پر بیٹھ گیا۔ ابھی وانگ کو بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ اسے ایک باریک سی آواز آئی۔

"بچاؤ ...... بچاؤ۔ وانگ اپنے خیالوں سے چونک اُٹھا۔ اس نے نظر اُٹھا کر اوپر دیکھا۔ آواز جنگلی گلاب کی ایک شاخ کے پاس سے آ رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر غور سے دیکھنے لگا تو اسے ایک ٹہنی کے سرے پر گلاب کی کلیوں کے درمیان، چنے کی سوکھی ہوئی پھلی جیسی کوئی چیز نظر آئی۔ وانگ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی کہ وہ نئی نئی پیدا ہونے والی تتلی کا غِلاف ہے۔ جس کے بارے میں گھونگھے دادا نے بڑی تفصیل سے وانگ کو سمجھایا تھا۔ انہوں نے انڈے سے لے کر ننّھی تتلی بننے تک کے عمل کو بتاتے ہوئے کہا تھا کہ جب تتلی کسی شاخ پر انڈے دے کر چلی جاتی ہے تو کچھ دن بعد اس انڈے میں سے ایک "لاروا" نکلتا ہے جِسے "کیٹا پلر" کہتے ہیں۔ کیٹا پلر درخت کے پتے کھا کر خوب موٹا اور تندرست ہو جاتا ہے تو خود کسی شاخ سے چپک کر اپنے منہ سے لُعاب خارج کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کچھ روز میں خود کو مکمل طور پر لُعابوں سے بنے غِلاف میں چھپا لیتا ہے اور اسی غلاف کے اندر ننّھی تتلی بنتی رہتی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد غِلاف سوکھ کر پھٹ جاتا ہے اور ایک مکمل ننّھی سی تتلی باہر نکل آتی ہے۔

"اس غِلاف کے اندر بھی یقیناً کوئی ننّھی سے تتلی ہوگی۔" وانگ نے سوچا پھر تھوڑا سا اِدھر اُدھر جھانکنے پر اسے غلاف کا ایک کونا پھٹا ہوا نظر آگیا جس میں سے ننّھی تتلی کے ٹکڑے

سکڑے سے پر واضح طور پر نظر آرہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی رنگین پھولدار دوپٹے کو چُنیں دے دی گئی ہوں اور ان پروں کے اوپر سیاہ رنگ کی دو گول گول سہمی ہوئی آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

"آخر ننھّی تتلی اتنی خوفزدہ کیوں ہے؟"

وانگ نے سوچتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا "اوہ! تو یہ بات ہے۔" اسے تتلی کے خوف کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ وہ ایک بھورے رنگ کی لمبی لمبی ٹانگوں والی مکڑی تھی جو گلاب کی ایک شاخ سے ہوتی ہوئی آہستہ آہستہ نیچے آرہی تھی۔

وانگ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا کہ ہو سکتا ہے مکڑی اپنے راستے پر جاری ہو اور ننھی تتلی بلاوجہ ہی خوفزدہ ہو گئی ہو مگر جب وہ اپنی اگلی دو ٹانگیں اُٹھا کر تتلی والی ٹہنی پر آگئی تو وانگ گھبرا گیا۔

"ارے یہ کیا بھئی...... اس مکڑی کے اِرادے تو خطرناک لگتے ہیں...... اے سنوبی مکڑی! تم وہاں کہاں جارہی ہو؟" وانگ نے بُلند آواز میں پوچھا۔ مکڑی وانگ کے سوال کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتی رہی۔

"بچاؤ...... بچاؤ۔" ننھی تتلی ایک بار پھر چیخی۔

"ارے، ارے! یہ تو کھلی دہشت گردی ہے۔ میں کہتا ہوں ہٹ جاؤ وہاں سے۔ خبردار جو تم ننھّی تتلی کے قریب گئیں۔" وانگ نے دھمکی دی مگر بے سود۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے پر بھی اسے مدد کے لئے کوئی نظر نہیں آیا۔ "اب کیا ہو گا؟" اس نے بے بسی سے ننھّی تتلی کی طرف دیکھا پھر مکڑی کی طرف جو تتلی سے چند انچ کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ وانگ نے پودے کے اِرد گِرد اُچھلنا شروع کر دیا۔ "کاش مینڈک بھی درخت پر چڑھ سکتے۔ اب تو صرف ایک ہی چارہ رہ گیا ہے۔" اس نے لمحے بھر کو سوچا اور دل ہی دل میں خدا کو پُکارتے ہوئے خود سے کئی فٹ اُونچے درخت پر چھلانگ لگا دی مگر شاید وانگ کا نشانہ خطا ہو گیا تھا مکڑی کے بجائے وہ ایک ٹہنی سے ٹکرایا اور گرنے لگا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔" وہ زور زور سے ہوا میں ہاتھ چلانے لگا۔ اچانک وانگ کا ہاتھ مکڑی کی ایک ٹانگ پر پڑا اور وہ مکڑی سمیت زمین پر آیا۔

"وانگ زخمی ہو گیا، وانگ زخمی ہو گیا۔" دریا کے کنارے کھیلتے ہوئے بچوں کو جب کسی نے اطلاع دی تو سب اپنے کھیل چھوڑ چھاڑ کر درختوں کے اس جُھنڈ کی طرف دوڑے جہاں وانگ جنگلی گُلاب کے پودے کے قریب اپنی کمر پکڑے زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر جابجا خراشیں پڑی تھیں۔

"کیا ہوا وانگ.....خیریت سے تو ہو؟" سب بیک وقت بولنے لگے۔ "ہاں ٹھیک ہوں۔" وانگ نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

"تم زخمی کیسے ہوئے؟۔ کیا کہیں سے گر گئے تھے؟" سب نے پوچھا "زخمی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ چھلانگ لگائی تھی۔" وانگ نے کراہتے ہوئے اُوپر

دیکھا جہاں گلاب کے ایک پھول پر ننھی تتلی اپنے خوبصورت رنگین پروں کو پھیلائے انہیں سُکھا رہی تھی اور ساتھ ہی وانگ کی جانب تشکّر آمیز نظروں سے دیکھتی جا رہی تھی۔ "میں نے ننھی تتلی کی جان بچانے کے لئے درخت کی اس شاخ تک چھلانگ ماری تھی۔" وانگ ایک اونچی سی شاخ کی طرف اشارہ کر کے اپنے دوستوں کو آج کی رُوداد سُنانے لگا۔

"تم نے اتنی اُونچی چھلانگ ماری تھی!" وانگ کے دوست مانگ نے پوچھا۔ "لگتا ہے اگلی دفعہ کی بازی بھی وانگ ہی لے جائے گا۔" کسی کونے سے آواز آئی تو وانگ نے شرما کر گردن جُھکالی۔

گھونگھے دادا جو وانگ کے زخمی ہونے کی خبر سُن کر پریشان ہو اُٹھے تھے جب آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وانگ کے قریب آئے تو اسے صحیح سالم دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے اور اسے اس کی بہادری کی داد دینے لگے۔

"بھئی وانگ میاں۔ تم نے تو میرے سوال کا جواب آج ہی دے دیا۔" وہ مُسکراتے ہوئے بولے۔

"مگر وہ مکڑی گئی کہاں؟ ...... ذرا ہم بھی تو اسے اس کی بد معاشی کا مزہ چکھائیں۔" مانگ کو اچانک مکڑی یاد آ گئی۔

"وہ ...... وہ یہاں نہیں ہے" وانگ ہکلانے لگا۔

مکلی کا قبرستان

مکلی کا قبرستان پاکستان کے صوبہ سندھ کے شہر ٹھٹھہ میں واقع ہے۔ ایک روایت کے مطابق مکلی کی پہاڑی پر سوا لاکھ بزرگان دین محو خواب ہیں۔ مرسلہ: انعام الحق مون، لاہور

"یہاں نہیں ہے! ...... اتنی جلدی کہاں چلی گئی؟" سب ایک ساتھ بولنے لگے تو وانگ نے گھبرا کر گھونگے دادا کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کہیں وانگ نے کوئی ڈرامہ تو ......" ایک بڑے مینڈک کی آواز آئی تو گھونگھے دادا نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔

"تم سب جانتے ہو کہ وانگ ایک سچّا لڑکا ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا ...... ہاں تو وانگ میاں؟" انہوں نے ہنس کر وانگ کی جانب دیکھا۔ "یہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا کہ وہ مکڑی کہاں گئی۔"

"وہ دادا۔"

"ہاں، ہاں بولو۔!"

"...... وانگ نے شرما کر اپنے پھولے ہوئے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں ہے۔" وانگ جھینپی جھینپی سی ہنسی ہنسا تو بے اختیار سب کے منہ سے قہقہے اُبل پڑے۔

"واہ بھئی وانگ راجہ تم نے تو بڑا کام کر دکھایا۔"

شکاری اور درندہ

عبدالقادر

سنا ہے اِک شکاری جو کسی بستی میں آتا تھا — وہ اپنی داستانیں فخر سے سب کو سناتا تھا
کہا لوگوں سے اک دن آج میں جنگل سے آیا ہوں — میں پنجے ایک وحشی جانور کے لے کے آیا ہوں
کہیں حیوان ایسا اس جہاں میں مل نہیں سکتا — کہ جس کو دیکھ کر انساں جگہ سے ہِل نہیں سکتا
بہادر کو نظر آئے تو اس کا رنگ بدل جائے — کوئی بُزدل اسے دیکھے تو اس کا دَم نکل جائے
رقم کی ہے شجاعت کی نِرالی داستاں میں نے — کہ بے جگری سے پنجے کاٹ کر لائے یہاں میں نے
درندہ سخت ہیبت ناک تھا، دیکھا جسے میں نے — ہر اک پنجہ بھی دہشت ناک ہے، کاٹا جسے میں نے
میں پہنچا غار میں اور چار پنجے ساتھ لایا ہوں — سنہرا کارنامہ دیکھئے میں کرکے آیا ہوں
جوں ہی پنجوں کو دیکھا، خوف سے وہ لوگ تھرّائے — شکاری کی ہوئی تعریف اس پر پھول برسائے
کہا اک شخص نے مجھ کو ذرا یہ بات سمجھائیں — یہ میرے ذہن میں الجھن ہے اس کو دور فرمائیں
یہ مانا کاٹ کر عفریت کے پنجوں کو لائے ہیں — مجھے حیرت ہے سر کو چھوڑ کر کیوں آپ آئے ہیں؟
شکاری نے کہا سر کو یقیناً کاٹ کر لاتا — درندے کو میں جنگل میں اگر بے سر نہیں پاتا
نہیں تھا سر تو میں پنجے ہی اپنے ساتھ لایا ہوں — وہ موذی تھا اسے بے دست و پا میں کرکے آیا ہوں

اگر سر تھا درندے کا تو شاید مجھ سے پہلے ہی
گیا تھا کاٹ کر اس کو شکاری دوسرا کوئی

گُلگُلے

دروازے پر دستک ہوئی۔ ارشد کے ابّو نے دروازہ کھولا۔
سامنے ایک اجنبی کندھے پر بیگ لٹکائے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹّی سے بھرا ایک لفافہ تھا جو اس نے سامنے بِچھے ہوئے قالین پر اُلٹ دیا۔
"بے وقوف! یہ کیا کر دیا تم نے"؟ ارشد کے ابّو غصّے سے چلاّئے۔
"جناب! آپ غصّے نہ ہوں۔ میں "ویکیوم کلینز" فروخت کرتا ہوں، اگر چند لمحوں میں ہماری مشین سے یہ قالین صاف نہ ہوا تو میں زبان سے چاٹ کر اسے صاف کر دوں گا"۔
"تو پھر شروع ہو جاؤ۔ ہمارے گھر میں بجلی نہیں ہے"! ارشد کے ابّو نے جواب دیا۔
مرسلہ...... سیّد محمد اُسامہ، راولپنڈی

...... ○ ...... ○ ......

ایک دوست (دوسرے دوست سے) "اگر تمہارا ایک کان کسی حادثے میں کٹ جائے تو؟"
دوسرا. "میں ٹھیک سے سُن نہ سکوں گا"۔
"پہلا. "فرض کرو اگر دونوں کان کٹ جائیں تو؟"
دوسرا. "میں ٹھیک سے دیکھ نہ سکوں گا"
پہلا. "وہ کیسے؟"
دوسرا. "وہ ایسے کہ میرا چشمہ گر جائے گا"۔
مرسلہ...... اطہر اقبال صدّیقی، کراچی

...... ○ ...... ○ ......

جنگل میں بہت سے جانور ایک جگہ بیٹھے جُگالی کر رہے تھے کہ اچانک کہیں سے ایک شیر نمودار ہوا اور چلاّیا "میں شیر ہوں، مجھ سے ڈرو"۔ تمام جانور خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے لیکن ایک بوڑھا جنگلی

بھینسا آگے بڑھا اور شیر کو ایک زور دار ٹکّر مار کر ہوا میں اُچھال دیا۔ شیر دھپ سے زمین پر گرا تو اس کی کھال کے اندر سے ایک بھیڑیا نمودار ہوا اور کراہتے ہوئے بولا۔

"بھائی بھینسے! تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں شیر نہیں ہوں"۔

"یہ تو نہایت آسان بات ہے!" بوڑھے بھینسے نے جواب میں کہا "اصل شیر کبھی نہیں کہتا کہ میں شیر ہوں"۔

مرسلہ...... محمد اظہر خان: کراچی

...... ○ ...... ○ ......

کرکٹ کی دنیا میں ایک نیا فاسٹ بولر آیا جو ایک ڈاکٹر تھا۔ ایک صاحب کچھ دیر بعد اسٹیڈیم آئے تو میچ شروع ہو چکا تھا۔ انہوں نے برابر والے صاحب سے پوچھا۔

"کیوں صاحب! نیا بولر کیسا ہے"؟

"کم بخت"! ان صاحب نے جواب میں کہا "آتے ہی تین وکٹ اور دو مریض حاصل کر چکا ہے"۔

مرسلہ...... مولا بخش، اورنگی ٹاؤن۔

...... ○ ...... ○ ......

گاہک (دُکاندار سے غصّے میں پوچھتے ہوئے)

"کل میں نے آپ کی دکان سے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کچھ چیزیں خریدی تھیں لیکن گھر جاکر دیکھا

توسب پلاسٹک کی نکلیں"۔

دکاندار: (مکاری سے) "جناب! غصّے نہ ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہاتھی نے مصنوعی دانت لگوائے ہوئے تھے"۔

مرسلہ...... سیّد محمد طلحہ، راولپنڈی

...... ○ ...... ○ ......

صدر لنکن سے ان کے دوست نے پوچھا:
"ایک آدمی کی ٹانگوں کی اوسط لمبائی کیا ہونی چاہیئے؟"
"کم از کم"! صدر نے جواب میں کہا "اتنی کہ اس کی ٹانگیں زمین تک پہنچ سکیں"۔

مرسلہ...... آصف خان، بنارس (کراچی)

...... ○ ...... ○ ......

رفیق ملازمت کے لئے دفترِ روزگار پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ کراچی روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن میں ایک "بس ڈرائیور" کی جگہ خالی ہے۔
"لیکن مجھے تو ڈرائیونگ نہیں آتی!!" رفیق نے کہا۔
"اس کی فکر مت کرو۔ وہ تمہیں تربیت بھی دیں گے"۔ کلرک نے جواب دیا اور رفیق کو تعارفی کارڈ دے کر بس ڈپو بھیج دیا۔ چند روز کی تربیت کے بعد رفیق کو نوکری مل گئی۔ جب وہ پہلی مرتبہ بس لے کر جانے لگا تو ٹرانسپورٹ انسپکٹر نے بتایا کہ کمپنی میں کنڈیکٹروں کی قلّت کے باعث بس کے مسافروں سے کرایہ بھی اسے خود ہی وصول کرنا پڑے گا۔

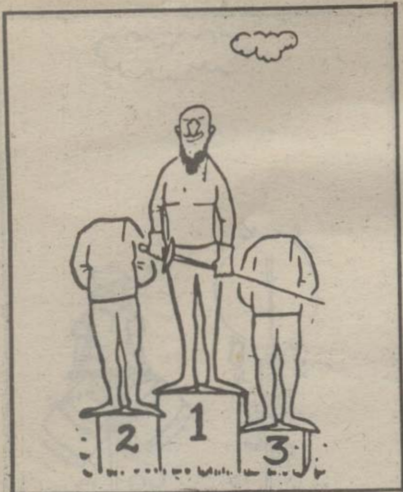

رفیق بس لے کر چلا گیا۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد انسپکٹر کے پاس فون آیا کہ رفیق کی بس ایک دکان میں گھُس گئی ہے۔ انسپکٹر فوراً وہاں پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ بس دکان کے شیشے توڑتی ہوئی اندر جا گھُسی ہے۔
"یہ حادثہ کیسے پیش آیا؟" اس نے پوچھا۔
"پتہ نہیں!" رفیق نے کہا۔ جس وقت یہ حادثہ پیش آیا اس وقت میں پچھلے حصّے میں مسافروں سے کرایہ وصول کر رہا تھا"۔

مرسلہ ...... فیصل احمد شجراہ، جیکب آباد (سندھ)

...... ○ ...... ○ ......

چار گنجے بن بلائے مہمان بن کر ایک دعوت میں پہنچ گئے اور میزبان سے کہنے لگے "واہ! کیا

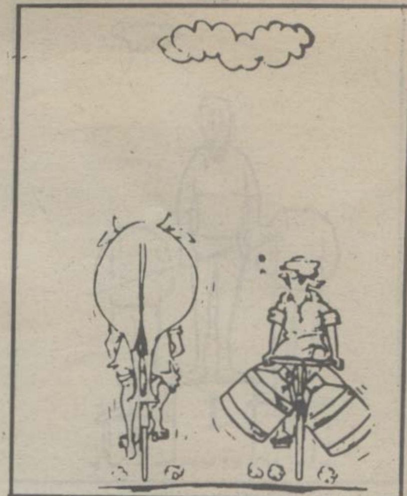

شاندار محفل ہے!!"

"واقعی!" میزبان نے ان کے گنجے سروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو آکر محفل کو چار چاند لگا دیئے ہیں"۔

مرسلہ ...... ارم حبیب، کراچی

...... ○ ...... ○ ......

ایک مداری ایک بڑے مجمع میں کرتب دکھا رہا تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک لیموں نکالا اور اس کے رس کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا پھر اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہے کوئی مائی کا لال! جو اس لیموں سے ایک قطرہ بھی نکال سکے۔ مجمع پر کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے لیموں کو اپنے ہاتھوں میں دبا کر بہت سے قطرے نکال دیئے۔ لوگ حیران رہ گئے۔ سب سے زیادہ حیرانی مداری کو ہوئی۔ اس نے آدمی سے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا "کیا تم بھی کوئی مداری ہو"؟

"نہیں! آدمی نے جواب دیا۔ "میں تو انکم ٹیکس آفیسر ہوں"۔

مرسلہ ...... موہنی نظام قائم خانی، حیدر آباد

...... ○ ...... ○ ......

دماغی ہسپتال میں ایک مریض کا دعویٰ تھا کہ وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا بیٹا ہے۔ آخر اس کا آپریشن کر دیا گیا۔ آپریشن کامیاب رہا۔ ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا "اب تو تم لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بیٹے نہیں"۔

"جی ہاں! آپ نے دُرست فرمایا"۔ مریض نے سنجیدگی سے کہا "میں بھول گیا تھا، دراصل میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا بیٹا ہوں۔

مرسلہ ...... قدوہ خلیل، میرپور (آزاد کشمیر)

...... ○ ...... ○ ......

نوجوان بیٹسمین کھیلنے جا رہا تھا اور بہت نروس تھا۔ جب وہ میدان میں جانے لگا تو ایک تماشائی نے اسے مُخاطب کیا۔ "سُنیں! میں نے آپ پر شرط لگائی ہے"۔ "اوہ!" بیٹسمین کا چہرہ خوشی سے کِھل اُٹھا۔ وہ بولا۔ "کہیں میں خوشی کے مارے صِفر پر ہی نہ آؤٹ ہو جاؤں"؟ "خدا کرے! ایسا ہی ہو" ...... تماشائی نے کہا۔

"میں نے یہی شرط لگائی ہے!!!"۔

مرسلہ ...... نائلہ بختیار، پشاور

ش۔م خالد

دنیا کا سب سے بڑا ائیرپورٹ

ایئرپورٹ کا کنٹرول ٹاور

کنگ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کا ایک منظر

دنیا کا سب سے بڑا ایئرپورٹ کنگ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ ہے۔ یہ سعودی عرب کے شہر ریاض میں واقع ہے۔ اس ایئرپورٹ کا رقبہ ۲۲۱ مربع کلو میٹر ہے۔ اس ایئرپورٹ کے کنٹرول ٹاور کو بھی دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے لمبا کنٹرول ٹاور ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس کنٹرول ٹاور کی لمبائی ۲۴۳ فٹ ہے۔

دیس دیس کے طوطے

عطیہ اقبال زیدی

چونچ ہے لال اور پنکھ ہرے ہیں
قدرت نے کیا رنگ بھرے ہیں

"ایک تاجر نے ایک توتا پالا ہوا تھا۔ توتا بہت اُداس رہتا تھا۔ وہ تاجر تجارت کی غرض سے ملکوں ملکوں جایا کرتا تھا ایک مرتبہ جب وہ ملک چین جانے لگا تو اس نے اپنے سب گھر والوں سے باری باری پوچھا، "تمہارے لئے وہاں سے کیا سوغات لاؤں؟" آخر میں توتے سے بھی پوچھا "کیوں بھئی توتے میاں! تمہارے لئے ملک چین سے کیا لاؤں؟"

توتے نے جواب دیا "کچھ نہیں! بس وہاں توتوں کے کسی جُھنڈ کے پاس سے گزرنا ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔" یہ کہتے کہتے توتا آبدیدہ ہو گیا۔

تاجر چین چلا گیا۔ اسے تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ اس نے سب کے لئے تحفے خریدے۔ ایک دن اس کا گزر توتوں کے ایک جُھنڈ کے پاس سے ہوا تو اسے اچانک اپنے توتے کا پیغام یاد آگیا۔ اور اس نے ان توتوں کو اپنے توتے کا سلام با آوازِ بُلند پہنچا دیا۔ یہ سلام پہنچنا تھا کہ ...... ان توتوں میں سے ایک توتا پھڑپھڑا کر زمین پر گرا اور مر گیا۔ تاجر کو بڑا رنج ہوا۔

اپنے ملک واپس آکر تاجر نے خوشی خوشی سب گھر والوں کو ان کے تحفے دیئے اور توتے میاں کو یہ قصّہ سُنایا کہ "جیسے ہی میں نے توتوں کو تمہارا سلام پہنچایا۔ ان میں سے ایک توتا زمین پر گرا اور گرتے ہی مر گیا مگر...... ارے یہ کیا ...... یہ خبر سُنتے ہی تاجر کے توتے میاں کی آنکھیں بند ہو گئیں، وہ بھی اسی طرح پھڑپھڑا کر پنجرے میں گر گئے تھے۔

تاجر کو بڑا افسوس ہوا کہ ناحق ایسا قصّہ اپنے توتے میاں کو سُنایا کہ بے چارہ جان سے ہی گیا۔ پنجرے میں ہاتھ ڈالا اور توتے کو نکال کو باہر پھینک

دیا......

لو بھئی یہ کیا ہوا توتے میاں تو چشمِ زدن ہی میں زندہ ہو گئے اور غالباً ملک چین کی طرف اُڑ گئے۔ مگر بھئی یہ عقل مند اور چالاک توتا تو دیسی تھا۔

آیئے اب آپ کو بدیسی یعنی غیر ملکی توتوں سے ملوائیں۔ ہم ان کی تصویریں بھی شائع کر رہے ہیں تاکہ آپ خوب حیران ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے توتوں سے کتنے مختلف ہیں۔ اللہ ہمارے توتوں کو ان کی نقل کرنے سے بچائے۔

انجیر پر بیٹھنے والا دو چشمی توتا

اس دو چشمی طوطے کی لمبائی کل ۱۴ سینٹی میٹر ہوتی ہے۔

وزن۔ ۴۲.۵۵ (بیالیس گرام) ہوتا ہے۔

ناخن عموماً ہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اندر کا حصہ زیادہ زرد اور پیلا ہوتا ہے، پیشانی اور تاج کے آگے کا حصہ گہرا سُرخ اور گلابی رنگ کا ہوتا ہے۔ تاج کا پیچھے کا رنگ اورنج اور کنٹھی کا رنگ بھی اورنج ہوتا ہے مگر ایسا اورنج جس کے رنگ شیڈ والے ہوتے ہیں یعنی بدلتے رہتے ہیں۔

یہ دو چشمی توتے "نیو گنی" کے جنگلوں اور ان کے اطراف میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لمبے لمبے درختوں، جھاڑیوں، کھلے میدانوں اور پہاڑ کے نچلے اور درمیانے حصوں میں غرضیکہ ہر جگہ نظر آتے ہیں مگر افسوس نارنجی رنگ کے سینے (پوٹے والے) والے توتے اب تقریباً ناپید ہوتے جا رہے۔

ہیں۔ یہ قسم بائیر دریا کی وادی میں پائی جاتی تھی یا پھر آسٹریلیا میں، جہاں وہ استوائی بارشی خطّے میں، شمالی مشرقی کنارے میں اور جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ جنوبی اور شمالی ویلز کے لوکاٹ کے درختوں میں، کھیتوں میں، شمالی کوینز لینڈ میں، کیپ یارک کے جزیرہ نما میں ایسے جنگلوں میں جہاں بارش زیادہ ہوتی ہے۔

ان کے چھوٹے چھوٹے جھنڈ درختوں کی شاخوں پر دانہ دُنکا چگتے نظر آتے ہیں لیکن جب اُڑتے ہیں تو خدا کی پناہ! بے حد شور کرتے ہیں (بالکل پرائمری جماعت کا کلاس روم لگتے ہیں) یہ خوب کُتر کُتر کر پھل گراتے ہیں جن سے صبح ان کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ جب یہ اُڑتے ہیں تو بڑی تیز پھڑپھڑاہٹ ہوتی ہے اور ایک باریک سی تیز سیٹی کی سی آواز (SHRILLE) مسلسل ان کے پروں سے نکلتی ہے۔

چھُپے ہوئے چمکدار توتے

لمبائی۔ ۴۷ سینٹی میٹر

حُلیہ۔ بڑے توتے (جوان) چمکدار ہرے اور تاج والے ہوتے ہیں۔ ان کا نچلا حصہ ہلکا پیلا ہوتا ہے۔ پروں کا اندرونی حصہ، پیشانی، زبان اور چہرے کا کافی حصہ سیاہ اور سینے کا مرکزی حصہ زرد ہوتا ہے۔

ارے چھوڑیں آپ تو توتے کے حُلیہ میں ہی کھو گئے۔ اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ یہ خوش نما

پرندہ دنیا میں کہاں کہاں پایا جاتا ہے؟

تو جناب یہ توتے صرف فجی آئی لینڈ میں وِٹی لیوہ (VITI LEVU) میں پائے جاتے ہیں۔

باوجود یکہ کہا جاتا ہے کہ ان چمکدار پوشیدہ توتوں کی نسل ختم ہو رہی ہے مگر یہ عام طور سے گھنے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ بلکہ چھوٹے جنگلات میں ۱۲۰۰ سو میٹر تک اور گاؤں کے باغات وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس توتے پر تحقیق کرنے والے مغربی محقق وانگ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے گھونسلوں کے لئے گھنے جنگلات اور بڑے بڑے رقبے چاہئیں مگر چونکہ جنگلات دن بہ دن سُکڑتے جا رہے ہیں للٰذا شاید انہوں نے بھی حالات سے مفاہمت کر لی ہے۔ اب یہ ہزار سے ۹ سواسی کلو میٹر تک کے علاقے میں بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ خصوصاً خلیج سووا کے ساحلی جنگلوں میں جو "اُس کے مغربی کناروں پر ہیں۔ وہ خواہ اکیلے ہوں یا جوڑوں کی شکل میں یا جُھنڈ کے جُھنڈ ہوں، بڑے بڑے درختوں کی سب سے اونچی شاخوں پر مضبوطی سے پنجے جمائے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی بڑے بڑے جُھنڈ بھی آتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر جہاں خوراک کا ذخیرہ زیادہ ہوتا ہے۔ پھلوں کے باغات میں، پکی ہوئی فصلوں کے کھیتوں میں۔ ان کی غذا بیج، مونگ پھلّیاں، بلکہ ہر طرح کی پھلّیاں، بیر، سُرخ پھل، عام پھل خصوصاً آم اور اخروٹ ہیں۔ (ارے آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔ کیا یہی چیزیں آپ کو بھی پسند ہیں؟)

یہ توتے شور بھی بہت کرتے ہیں۔ ان کی پاٹ دار آواز دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈرپوک بہت ہوتے ہیں اور مشکل سے ہی کہیں دِکھائی دیتے ہیں (شاید اس لئے انہیں پوشیدہ توتے کہتے ہیں)

ان کے بچّے دینے کا موسم جولائی سے ستمبر تک

والئی مصر

توران شاہ معظم کے روبرو ایک خطرناک مجرم پیش کیا گیا۔ مجرم اپنی صورت شکل سے انتہائی معصوم اور نیک نظر آتا تھا۔ توران نے سرکاری افسر سے پوچھا "تم نے اس شخص کو کیوں گرفتار کیا ہے؟"

افسر نے جواب دیا "حضور والا! یہ شخص حضور کا بد خواہ ہے اور دل سے یہ چاہتا ہے کہ حضور اس دنیا سے اوجھل ہو جائیں"

توران شاہ نے پوچھا "تمہیں کیسے پتا ہے کہ یہ شخص ہماری موت چاہتا ہے؟"

افسر نے جواب دیا "حضور والا یہ جس کو بھی قرض دیتا ہے، کہتا ہے۔ تب واپس لوں گا جب شاہ مصر مر جائیں گے۔"

توران شاہ نے ملزم سے پوچھا "تم ہماری موت کیوں چاہتے ہو؟"

ملزم نے جواب دیا "حضور میں جس کو بھی قرض دیتا ہوں وہ آپ کی عمر درازی کی دعائیں دن رات مانگتے ہیں۔"

یہ سن کر شاہِ مصر بہت خوش ہوا اور اسے بہت سا انعام دیا۔

مرسلہ۔ محمد شریف احمد، میانوالی

ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دو انڈے درختوں کے خول میں یا سوراخ میں رکھ دیتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہ توتے بہت پُرانے جنگلوں میں بہت پُرانے درختوں کے .... خول میں انڈے دیتے ہیں۔ انڈے گول یا بیضوی شکل کے ہوتے ہیں۔

اور عموماً ان کے تین چار بچے اہل خاندان کے ساتھ گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

بڑی کلغی والا سفید توتا

اس توتے کو اس کے اپنے ملک کی زبان میں ڈیوکورپس کو کیٹو (DUCORPS'COCATOO) کہتے ہیں۔ ہے نا کتنا عجیب!!! ہمارے ملک میں تو بڑی کلغی والے مرغے ہوتے ہیں جو ہر وقت کُڑ کُڑ کرتے رہتے ہیں اور ٹانگیں اکڑا اکڑ کر رعب داب سے چلتے ہیں۔ جو کوئی بچّہ ان کے قریب سے گزر جائے تو فوراً ٹھونگ مارنے کو دوڑتے ہیں۔ نجانے یہ توتا اپنے ملک کے بچوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہو گا؟

اس سفید کلغی دار طوطے کی لمبائی ۳۱ سینٹی میٹر ہوتی ہے۔

وزن۔ ۲۹۰ سے ۴۱۵ گرام ہوتا ہے۔

بڑے توتے (جوان) کے سر کا تاج، زبان، سر کے تمام پر، اور سینے کا بنیادی رنگ بھی سفید ہوتا ہے۔ اور یہ سفیدی گالوں پر تو بطورِ خاص نمایاں ہوتی ہے البتہ پروں کا اندرونی حصّہ اور دُم کے پروں میں ذرا سا زرد رنگ بھی نمایاں ہوتا ہے۔ کھلتے ہوئے نیلے رنگ کا حلقہ آنکھ میں اندر کے جانب زیادہ پھیلا ہوا نہیں ہوتا۔ نر توتے کے آنکھ زیادہ گہری بھوری ہوتی ہے۔ مگر مادہ کی سرخی مائل ہوتی ہے۔ چونچ خاکی مائل سفید ہوتی ہے اور ٹانگیں پنجے اور ناخن صرف خاکی ہوتے ہیں۔

یہ بوگن وِل جزیرے اور سالمن جزیرے میں جو ملائیٹا (MALAITA) کے مشرق میں ہیں، عام طور سے پائے جاتے ہیں "ڈیوکورپس" کو کیٹو" جو ایک عام سا توتا ہے، وہاں تمام ہی نشیبی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ ایسے تمام گھنے جنگلوں میں جہاں بادلوں کا سایہ زیادہ ہوتا ہے۔ تمام اونچے درختوں، ان کی پھننگوں پر جُھنڈ کے جُھنڈ موجود ہوتے ہیں۔ البتہ اکّا دکّا توتے کچھ نیچے درختوں پر بھی نظر آجاتے ہیں۔

یہ بہت ہی نمایاں پرندہ ہے۔ اور بہت ہی شور مچاتا ہے (شریر بچوں کی طرح) جُھنڈ کے جُھنڈ اتفاق و اتّحاد کی برکت سے کام لیتے ہوئے مل کر سفر کرتے ہیں۔ خوب اونچا اُڑتے ہیں اور اونچے اونچے درختوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توتا بہت ہی محتاط اور چوکس ہوتا ہے! ذرا سا کھٹکا ہوتے ہی زور دار چیخ مار کر اُڑتا ہے اور چیختا ہی چلا جاتا ہے۔ اس کے مضبوط پروں کی پھڑپھڑاہٹ دورانِ پرواز مسلسل سنائی دیتی ہے۔ یہ بڑے ہی مزے لے لے کر اُڑتا ہے اور دوران پرواز ہوا میں غوطے بھی لگاتا ہے۔ دیکھا آپ نے باکمال توتے کی ...... لاجواب پرواز۔

یہ کہاں رہتا ہے؟

آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ محقق حیران و پریشان ہیں۔ خیال ہے کہ ہُدہُد کی طرز پر رہتا ہے جس کو ہمارے ہاں کھٹ بڑھئی بھی کہتے ہیں۔

ہرے جھولنے والے توتے

گرین ہینگنگ پیرٹس (GREENHANG-ING PARROTS) کی کل لمبائی ۱۰.۵ سینٹی میٹر ہوتی ہے۔

بڑے ہرے توتے کا تاج بھی ہرے رنگ کا ہوتا ہے۔ اندورنی حصہ زرد اور پروں کی طرف سے سیاہی مائل ہوتا ہے جبکہ گہرا ہرا مائل نیلا ہوتا ہے اور حلق پر ایک لمبا سا سُرخ رنگ کا نشان ہوتا ہے۔ دم کا بالائی حصہ بھی سُرخ ہوتا ہے۔

اس قسم کے توتوں کے بارے میں بہت ہی کم معلومات ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت ہری رنگت کے ہوتے ہیں اور ان کی چھوٹی سی جسامت ہوتی ہے اور یہ درختوں کے پتّوں میں چھپ کر بالکل ان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یوں ان کی موجودگی کا پتہ چلانا دُشوار ہوتا ہے،

دوئم یہ کہ یہ نہایت پھرتیلے ہوتے ہیں۔ کبھی ایک جگہ ٹِکتے نہیں۔ ہاں البتہ موسمِ بہار ہو تو یہ درختوں پر پھولوں کے پاس لازمی موجود ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میئر (محقق) نے صرف ایک جوڑا شمالی سلاویسی میں دیکھا مگر مئی کا موسم

اقوال زریں

- ...... دوستی صرف دوستی سے خریدی جا سکتی ہے۔
- ...... سلامتی امید اور خوف کے درمیان میں ہے۔
- ...... خود کو بدل لو، قسمت خود بخود بدل جائے گی۔
- ...... کسی بھی حالت میں اپنے حوصلے کو مت گراؤ۔ دیکھو لوگ گرے ہوئے مکان کی اینٹیں تک اٹھا کر لے جاتے ہیں۔
- ...... بڑوں کی صحبت میں مت بیٹھو۔
- ...... کسی کو مصیبت میں دیکھ کر اس کے کام آنا عبادت ہے۔

مرسلہ۔ ملک طارق محمود۔ گولارچی

آتے آتے ان توتوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ یکایک نمودار ہو گئے۔ یہ سمندر کے کنارے پہاڑی جنگلوں، ایک ہزار میٹر کی بُلندی پر عوامی باغات میں، شمال مغربی سلاویسی میں عام طور دیکھے گئے ہیں۔

اس کی آواز خدا کی پناہ! ۔ سلاویسی ہینگنگ پیرٹ کی طرح بے حد گونج دار اور زور دار ہوتی ہے۔ یہ فروری اور اگست دو مہینوں میں بچّے دیتا ہے۔ طریقۂ کار اس کا بھی یہی ہے کہ جنگلوں میں پُرانے کھجور اور ناریل کے مُردہ درخت ڈھونڈ کر اس کے خول میں انڈے دے دیتا ہے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاّ، جس نے انڈے دیئے وہی بچّے بھی دے گا۔

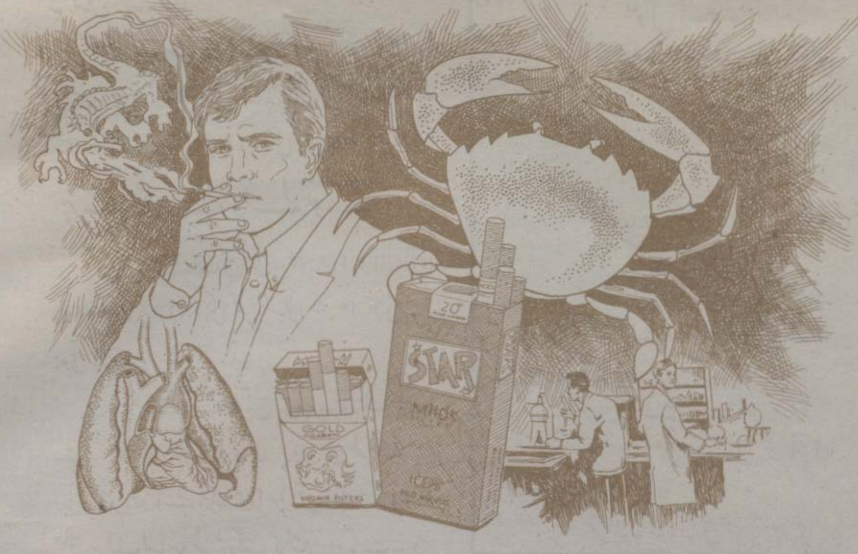

انسان کا دشمن نمبر ایک

عبدالستار خان طاہر

آج کل جتنے بھی مہلک امراض ہیں ان میں سرطان یعنی کینسر سب سے زیادہ مہلک ہے۔ اس کے درد کی اذیت ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ میڈیکل سائنس نے یہ سراغ تو پالیا ہے کہ کینسر کے اسباب کیا ہیں اور یہ مرض کس طرح حملہ آور ہوتا اور جڑ پکڑتا ہے مگر ابھی تک اس کا کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا۔ البتہ اس مرض کے حملے کو روکا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ سرطان کیسے پیدا ہوتا ہے؟ آپ نے پانی کا کیکڑا تو دیکھا ہو گا۔ اس کی کئی ٹانگیں ہوتی ہیں۔ وہ بغیر مُڑے جدھر چاہے چل سکتا ہے اور جس طرف اسے کوئی چیز نظر آئے وہ بغیر مُڑے اسے اُٹھا سکتا ہے۔ کینسر یہی کیکڑا ہے۔ اجرامِ فلکی میں بھی سرطان کا نام آتا ہے۔ آسمان کا چوتھا برج جس کی شکل کیکڑے کی ہے۔ سرطان کے مرض کی حرکت کیکڑے جیسی ہوتی ہے۔

انسانی جسم خلیات (CELLS) اور ان سے خارج ہونے والے مادوں (MATERIALS) سے مل کر بنا ہے۔ بعض اوقات یہ خلیات کسی وجہ سے اپنی نشوونما اور اپنے قدرتی عمل سے عاری ہو جاتے ہیں اور خود سر ہو کر اپنے ساتھ والے خلیات کو خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حملہ آور خلیات ان کے ساتھ مل جاتے ہیں جن پر حملہ ہوتا ہے۔ دونوں قسم کے خلیات جب ایک ہو جاتے ہیں تو ان کا قدرتی عمل رُک جاتا ہے۔ ان میں ایک طرح کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً معدے کے خلیات کا کام خوراک ہضم کرنے کے لئے ہائیڈرو کلورک ایسڈ (HCI) تیار کرنا ہے۔ اگر یہ دوسرے خلیات پر ہلّہ بول دیں تو ان کا اپنا کام رُک جاتا ہے اور دوسرے خلیات سے ان کی جنگ و جدل شروع ہو جاتی ہے۔ صحت مند خلیات اپنے اوپر حملہ کرنے والے خلیات کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہاں ایک ڈھیلا یا گلٹی سی بن جاتی ہے جسے ہم عرفِ عام میں "رسولی" کہتے ہیں۔ اس کے ارد گرد کے خلیات اس رسولی کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ جب بڑھتا ہے تو شدید درد کا باعث بنتا ہے۔ یہ ہے سرطان یعنی کینسر جو کیکڑے کی طرح دوسرے خلیات کو دبوچ لیتا ہے۔

کینسر کے اسباب پر ماہرین نے بہت تحقیق کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اس مرض کے چار اسباب بتائے گئے ہیں۔ (۱) سرطان پیدا کرنے والے وائرس (VIRUS) (۲) سرطان پیدا کرنے والے کیمیائی مادے (CHEMICAL CARCINOGENS) (۳) مختلف غیر مرئی شعاعیں یا تابکاری (RADIATION) (۴) دوسرے متفرق اسباب (OTHER CARCINOGENS) انسان میں بعض اقسام کے سرطان میں وائرس (VIRUS) موجود ہوتا ہے۔ ناک اور گلے کے سرطان کا سبب بھی وائرس بتایا گیا ہے۔ بعض کیمیائی مادے سرطان پیدا کرتے ہیں۔ ۱۷۷۵ء میں ایک سائنس دان "سر پرسول پاٹس" (SIR PERSOL PATS) نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہمارے ارد گرد ایسے کیمیائی مادے موجود ہیں جو سرطان کا باعث بن سکتے ہیں۔ بعد کے تجربات سے یہ نظریہ دُرست ثابت ہو چکا ہے۔ ان میں وہ کیمیاوی مادے شامل ہیں جو ہماری غذا میں شامل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں تمباکو اور ڈبوں میں بند کی ہوئی خوراک اور اسٹوروں میں لمبے عرصے تک محفوظ رکھی ہوئی خوراک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

عام لوگوں کی نسبت سگریٹ نوشوں میں سرطان کے امکانات پچاس گُنا زیادہ ہوتے ہیں یہ مادے پولی سائیکلک ہائیڈروکاربونز (POLYCYCLIC HYDROCARBONS) کہلاتے ہیں جو سگریٹ کے دھوئیں اور تمباکو کی لک (TAR) میں پائے جاتے ہیں۔ تمباکو میں ایک اور مادہ "نکوٹین" بھی پایا جاتا ہے جو بہت خطرناک ہے۔ ہائیڈروجن اور

کاربن کے بعض مرکبات سرطان کا باعث بنتے ہیں۔ یہ کیمیاوی مادے تیل اور پٹرول وغیرہ میں پاتے جاتے ہیں۔ جب موٹر گاڑیاں اور موٹر سائیکل پٹرول اور ڈیزل کوجلا کر دھوئیں کی صورت میں پھیلاتی ہیں تو ہائیڈروجن اور کاربن کے ذرّات سے فضا بوجھل ہو جاتی ہے یہ ذرّات انسان کے پھیپھڑوں اور خون میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس زہر کی موجودگی میں تمباکو نوشی اور زیادہ مُضر ہو جاتی ہے۔ جو لوگ سگریٹ، تمباکو نہیں پیتے، ان کی نسبت فضا کی زہریلی آلودگی تمباکو پینے والوں پر زیادہ بُرا اثر ڈالتی ہے اور سرطان کا باعث بنتی ہے۔

دنیا کے صفِ اوّل کے ڈاکٹر تجربات سے ثابت کر چکے ہیں اور خبردار کر رہے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزیں جو ڈبّوں میں بند ہوتی ہیں، سرطان کا باعث بن سکتی ہیں۔ کیونکہ ان میں مختلف قسم کے کیمیکلز کی آمیزش ہوتی ہے۔ بعض ڈبوں میں غذا اتنے عرصے تک بند رہتی ہے کہ انسانی صحت کے لئے اس کا مُضر ہونا لازمی ہے۔ پاکستان میں بھی کھانے پینے کی چیزیں ڈبّوں میں بند کر کے بیچنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ پلاؤ تک ڈبوں میں بند کیا جاتا ہے۔ مٹروں کے دانے تو بند ڈبوں میں خاصے مقبول ہو گئے ہیں۔ ڈبّوں کا دودھ اس قدر مقبول ہے کہ شہروں میں ماؤں نے بچّوں کو اپنا دودھ پلانا ہی چھوڑ دیا ہے۔ ڈبوں کے علاوہ بعض اشیائے خوردنی لمبے عرصے تک اسٹوروں میں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے (NITRITES) استعمال ہوتے ہیں۔ یہ معدے میں (NITROSAMIN-ES) پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں جو اپنے اندر سرطان کا خطرہ لئے ہوئے ہیں۔ اس خطرے سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ غذا خصوصاً سبزیاں، پھل وغیرہ تازہ کھائیں اور ڈبوں اور اسٹوروں میں محفوظ کی ہوئی غذا سے اجتناب کریں۔

ہمارے ملک میں ایک خطرناک چیز کا استعمال بڑا ہی عام ہے، وہ ہے پان۔ پان میں سُپاری کا استعمال لازمی ہوتا ہے۔ سُپاری منہ کے سرطان کا باعث بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آجکل پلاسٹک اور نائلون کا استعمال بے تحاشہ بڑھ گیا ہے۔ دھاتوں کی جگہ بھی اب پلاسٹک استعمال ہوتا ہے۔ ان میں بھی سرطان کا خطرہ موجود ہے بعض اوقات جسم پر کوئی معمولی سا زخم ٹھیک ہونے میں نہیں آتا۔ اکثر یوں ہوتا ہے کہ اس زخم کو معمولی سمجھ کر اس سے توجہ ہٹالی جاتی ہے اور کبھی خیال آتا ہے تو اس پر کوئی مرہم لگا دیا جاتا ہے۔ ایسا دیرینہ زخم سرطان کی صورت اختیار کر سکتا ہے ایسے زخم کا علاج کسی ماہر ڈاکٹر سے کرانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ماہرین نے یہ انکشاف کیا ہے کہ سرطان کے اسباب نفسیاتی بھی ہوتے ہیں۔ پاکستان میں یہ اسباب کچھ زیادہ ہی کارفرما ہیں۔ برطانیہ کے مشہور ماہر طب و نفسیات ڈاکٹر ڈبلیو۔ ایچ آون (W. H. AWIN) نے لکھا ہے کہ "سرطان ایک مضحکہ خیز چیز ہے۔ کوئی ڈاکٹر نہیں بتا سکتا کہ

فلاں آدمی سرطان کا شکار کیوں ہوا۔ پھر بھی بعض ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں سرطان چھپا ہوا ایک قاتل ہے جو آپ پر حملہ کرنے کے انتظار میں ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ اب کچھ کچھ پتہ چلنے لگا ہے۔ اس نے ایک نئی اصطلاح پیدا کی ہے "سرطانی شخصیت" (CANCER PERSO-NALITY) اس نے ثابت کیا ہے کہ جذبات کو مشتعل کرنے والے اور جذبات پر بُرا اثر ڈالنے والے احوال و کوائف جسم میں سرطان کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے میں مدد دیتے ہیں۔ سرطان مسلسل غم، دبائے ہوئے غصّے، تلخی اور والدین کی موت کے غیر معمولی صدمے سے جس پر قابو نہ پایا جاسکے، پیدا ہوتا ہے۔ بیشتر لوگ اپنے اندر غصّے اور تلخی کے جذبات کو دبائے رکھتے ہیں جس سے سرطان کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

اب اگر آپ ان اسباب پر غور کریں تو آپ سمجھ جائیں گے کہ سرطان سے بچنے کے لئے کیا احتیاطیں کرنی چاہئیں۔ سرطان اگر ابتدائی مرحلے میں ہو تو اس کا علاج تین طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱) جرّاحی (۲) ریڈیم اور شعاعوں کا استعمال جسے (RADIATION THERAPY) کہتے ہیں۔ (۳) دوائیوں کا استعمال۔ بہتر یہ ہے کہ شروع ہی میں اتنی احتیاط کرلی جائے کہ سرطان کی نوبت نہ آئے۔ مثلاً سگریٹ نوشی فوراً ترک کر دیں۔ علی الصبح باہر جاکر ورزش کریں اور لمبے سانس لے کر پھیپھڑوں میں آکسیجن بھرلیں جو آپ کو صبح کے وقت فضا سے مل سکتی ہے۔ دن میں کم از کم تین مرتبہ لمبے سانس لیں تاکہ پھیپھڑوں میں گئی ہوئی زہریلی گیسیں نکل جائیں اور ان میں آکسیجن چلی جائے۔ غذا تازہ اور قدرتی شکل میں کھائیں۔ صحت مند جسم میں سرطان کا خطرہ بہت کم ہوتا ہے اور یہ آپ خوب جانتے ہیں کہ جسم کو صحت مند کیسے رکھا جاسکتا ہے؟ غصّے، حسد، تلخی اور انتقامی جذبے کو اپنے اندر دبانے کی بجائے ان سے نجات حاصل کریں۔ تصنّع اور بناوٹ سے بچیں۔ اس طرح اس مہلک بیماری سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اب ماشاء اللہ ہماری کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان "عمران خان" کینسر ہسپتال بنوا رہے ہیں۔ جس میں اچھے ڈاکٹرز اور جدید آلات ہوں گے اور جس میں معذوروں اور بے کسوں کا علاج کیا جائے گا۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ بھی بڑے بڑے شہروں میں "کینسر ہسپتال" قائم کرے تاکہ اس مہلک مرض سے نجات حاصل کی جاسکے۔

چار باتیں

ایک پرانا مقولہ ہے کہ شریف آدمی چار باتوں سے کبھی نہیں ہچکچاتا۔

- ...... اپنے باپ کی خدمت اور تعظیم سے۔
- ...... مہمان کی خاطر تواضع اور خدمت سے۔
- ...... اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال سے چاہے نوکر بھی موجود ہو۔
- ...... اپنے استاد کی خدمت سے۔

بوجھو تو جانیں

ادارہ

مرسلہ مراد دلاور خان، کراچی

۱۔ چار ایسے بھی ہیں سلطان — جن کا محل نہ کوئی مکان
جن کا سکّہ نہ فرمان — جن کا نوکر نہ دربان

۲۔ سر پر نور کے تاج سجائے — دو راجے اک دیس سے آئے
ایک سے ہر کوئی آنکھ مِلائے — ایک سے ہر کوئی آنکھ چُرائے

۳۔ جب بھی وہ میدان میں آئے — قدم قدم پر ٹھوکر کھائے
اُچھلے کودے دوڑے بھاگے — سب ہیں پیچھے وہ ہے آگے

۴۔ تن کی پتلی سر کی موٹی — ہلکی پھلکی قد کی چھوٹی
سر پٹخے اور طیش میں آئے — اُگلے شعلہ، آگ لگائے

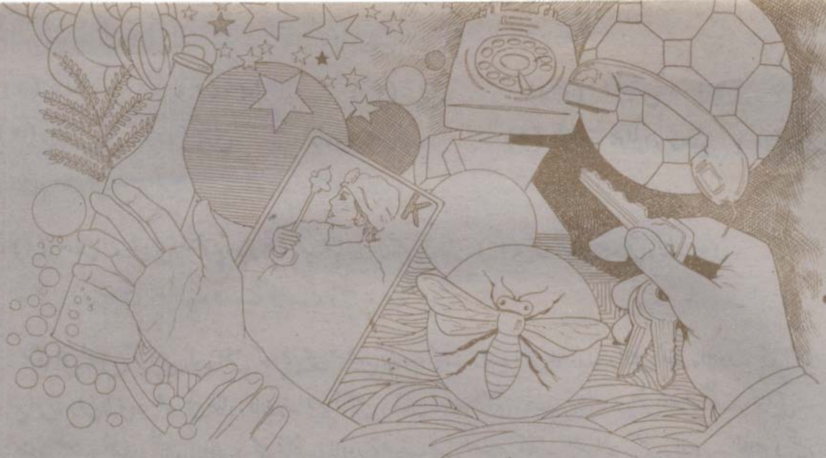

۵۔ اک لمبے کا سنو فسانہ — دن کو اندھا رات کو کانا
اونچا، لمبا اور تگڑا ہے — دھرتی نے اس کو جکڑا ہے

۶۔ موتی ہیں وہ پیارے پیارے — بکھرے ہیں سارے کے سارے
ہاتھ بڑھا کر بھی نہ پاؤ — بس تم ان کو تکتے جاؤ

۷۔ چھک سے اپنے منہ کو کھولے — پھک سے جھاگ اڑائے
اُچھل اُچھل کر باہر نکلے — بے قابو ہو جائے

۸۔ ننھا مُنا بڑا دلیر — کر لیتا ہے سب کو زیر
چور اور ڈاکو ڈر کر بھاگے — آتا ہے جب ان کے آگے

۹۔ منہ پر اپنے کالک مل کر — زور دکھائے خوب اُچھل کر
جس کو اس نے آن دبایا — اس کے منہ پر داغ لگایا

۱۰۔ کبھی تھا آگے کبھی تھا پیچھے — کبھی تھا اوپر کبھی تھا نیچے
کبھی تھا کھڑا کبھی تھا لیٹا — تاریکی نے اسے سمیٹا

۱۱۔ جب بھی آیا شور مچایا — آپ کو اپنے پاس بلایا
آپ نے پھر جلدی سے آ کر — بات سنی ہے کان لگا کر

۱۲۔ شکل و صورت میں ہے جیسا — اس کا چولا بھی ہے ویسا
سال میں بدلے ایک لباس — اور نہیں ہے اس کے پاس

گزشتہ ماہ کی پہیلیوں کے درست جوابات

(۱) گملا (۲) ہوا (۳) پہیہ (۴) انجکشن (۵) خاموشی
(۶) ربڑ (۷) پگڑی (۸) مسواک (۹) بچپن، جوانی، بڑھاپا (۱۰) چکر۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب ساتھی

(۱) سلمان احمد رشیدی، شیخوپورہ (۲) عبد الباسط، رحیم یار خان (۳) محمد نعمان صدیق، لالہ موسیٰ۔

بالکل درست جواب دینے والے ذہین ساتھی۔

حماد علی فیصل، کراچی۔ نوید اختر، کراچی محمد حسنین، لاہور کینٹ۔ ناہید اختر، لاہور۔ رابیل غفار، لاہور۔ محمد اعجاز پرنس، راولپنڈی۔ محمد علی جواد، لاہور۔ احمر فرقان، ملتان۔ حنا جتوئی، حیدر آباد۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ منزہ خلیل، نعمان خلیل، لاہور۔ محمد فیاض، لاہور توصیف ضیا، اسلام آباد۔ منیر احمد مغل، لاہور۔ غلام دستگیر جاوید، فیصل آباد۔ آصف یوسفزئی، لاہور۔ محمد کامران آصف، لاہور۔ انا ناز، لاہور۔

ایک غلطی کرنے والے ساتھی

محمد عمر رضا، لاہور، صائمہ ارم، سبیلہ ارم، صبا ارم، محمد فیصل، واہ کینٹ۔ رمیزہ قریشی، حیدر آباد۔ شہزاد محمود، کمالیہ۔ عرفان عثمانی، عمران عثمانی، لاہور۔ محمد طاہر جمیل، کراچی۔ عنبرین عثمانی، لاہور۔ عائشہ عثمانی، لاہور۔ محمد جاوید، جھنگ صدر۔ شبنم ناہید، جھنگ صدر۔ ادیبہ سعید، گجرات۔ محمد ظفر اللہ ضیا، کمالیہ۔ محمد کامران ایوب، کراچی۔ محمد عالم صدیقی، حیدر آباد۔ شاہدہ حفیظ، کراچی۔ نورین عادل، کراچی۔ تابندہ ریاض، لاہور۔ محمد فہیم آفریدی، پشاور۔ کاشف رضا، لاہور۔ محمد محسن مبین، نواب شاہ۔ محمد عظیم بابر خان، بہاولپور۔ محمد زبیر تابانی، کراچی اظفر تنویر، ملتان۔ احمد طلال، سرگودھا۔ سید محمد حیدر عابدی، حیدر آباد۔ جہاں زیب شاہین قریشی، حیدر آباد۔ تہمینہ یاسمین قریشی۔، حیدر آباد۔ غلام احمد ڈوگر، کمالیہ۔ محمد بلال مسعود، کمالیہ۔ فقیر حسین، کمالیہ۔ نیلو فر قندیل، کمالیہ۔ علی رضا خان، کمالیہ۔

ایک سے زیادہ غلطیاں کرنے والے ساتھی۔

زین اختر، کراچی تنویر شہزاد، بہاولپور۔ اسرار احمد، کمالیہ۔ مہوش طالب، لاہور۔ وقاص احمد، سبی۔ نواب علی پرکی، سانگھڑ۔ سید عثمان حسنی، لاہور

فہیم عثمانی، لاہور۔ سید محمد عباس زیدی، راولپنڈی۔ سید بلال حسنی، لاہور۔ ایم عبد الباسط راشد اعوان، کوٹری۔ محمد طیب، جھنگ۔ رفعت ناصر خان، کراچی۔ چوہدری افتخار احمد خضر، جھنگ۔ عنبرین گلزار علی، کراچی۔ سید اسد زیدی (؟) شوکت علی راجپوت، اسد علی راجپوت، محمد حسین راجپوت، لیاقت علی راجپوت، خیرپور میرس۔

محمد ندیم خلد، بہاول پور۔ محمد نعیم، بہاول پور۔ محمد قاسم گورایہ، حماد الرحمٰن گورایہ ممتاز بسیل، گوجرانوالہ۔ عمران سہیل بوبی، اشرف عمر، نبیل اصغر کھوکھر، اوکاڑہ۔ کومل جاوید، کراچی۔ آصف متین، کاشف متین، کراچی۔ منظور احمد، گھوٹکی۔ زرتاش مسعود بیگ، نواب شاہ۔ محمد نعیم عابد، کمالیہ۔ ساجد کمالوی، کمالیہ۔ فوزیہ صابر حسین شیخ، حیدر آباد۔ قرۃ العین بخاری، ملتان۔ احسن مصطفےٰ، پشاور شہر، علی امتیاز ملتان۔ خالد علی، ملتان۔ فیصل مختار، ملتان۔ پرنس ملک سرفراز احمد، ملتان۔ اصباح ارم، احسن اظہر، فریحہ ارم، بہاولپور۔ نجیب بخاری، ملتان۔ افتخار احمد، ملتان۔ سارہ علی چوہدری، راولپنڈی۔ محمد یونس شیخ، بدین۔ ابتسام ساجد، کمالیہ۔ چوہدری محمد شفیع طاہر، جھنگ۔ انشیٰ حسنات، کمالیہ۔ چوہدری محمد عمران، جھنگ۔ سہام رفیق، چاچڑاں شریف۔ اسماء محمد شاہد، کراچی۔ صبا مقصود، کراچی۔ سید فرخ ظفر نقوی۔ سید عماد رضا نقوی، گدو۔ عائشہ ستار، سانگھڑ۔ اویس ارسلان، کراچی۔ شان اشتیاق یوسف زئی۔ سانگھڑ۔ عدنان عادل، کراچی۔ عالیہ صدف، سرگودھا۔ فرزانہ فرمان علی، بدین۔ اظہر کمال، کراچی۔ محمد شریف، کراچی۔ عباس ابراہیم، کراچی۔ سید فہد علی بخاری، سید احمد علی بخاری، حیدر آباد۔ خواجہ صائم خالد، لاہور۔ پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔ نوید شبیر احمد، کراچی۔ علی حسن، ماتلی۔ اسد فاروق، اٹک۔ محمد عظیم قریشی، محمد اختر قریشی، اسلام آباد۔ ظفران، فرقان، لقمان، کامران، نعمان، رضوان، کاشان، ذیشان احمد، محمد ارسلان، اسلام آباد۔ سلمان احمد، لاہور۔ صفورا انور، ثمرینہ مصطفیٰ، عائشہ انور، گجرات۔ شہلا حسین، واہ کینٹ۔ لئیق حسین عارف، اٹک شہر۔ حافظہ خولہ کوثر، لاہور۔ قیصر نوید، ڈنگہ۔ بسام وحید، لاہور۔ محمد یونس حسین، کراچی۔ ثناء رزاق، لاہور۔ احسن صغیر، لاہور۔ معیز اعجاز، لاہور۔ محمد جبران عبدالقیوم، حیدر آباد۔ محسن یٰسین، کراچی۔ احسان الرحمٰن خالد، لاہور۔ چوہدری محمد ناصر علی عمر، جھنگ۔ نواب مرزا سالار بیگ، نواب مرزا زوار بیگ، اسلام آباد۔ نواب مرزا زور آور بیگ، نواب مرزا دلاور بیگ، نواب مرزا شکور بیگ، نواب مرزا ماہین بیگ، نواب مرزا کرن بیگ، نواب مرزا ساحر بیگ، نواب مرزا شرمین بیگ، نواب مرزا جابین بیگ، اسلام آباد۔ حامد فاروق، اٹک۔ طلعت بانو، اٹک۔ عمران بشیر کراچی۔ اسجد اقبال، کھاریاں۔ فریحہ سعید، فیصل آباد۔ شگفتہ ناز، حیدر آباد۔ عبدالحفیظ شاہد، مخدوم پور پہوڑاں۔ راج کمار، بخشا پور۔ عبداللہ خورشید احمد، ہری پور۔ شازیہ فیض کراچی۔ عابد محمد، ملکہ ہانس۔

سلمان شفقت، لاہور نازیہ فیض، کراچی۔ آغا عمران مرزا، آغا ذیشان مرزا، آغا ماریہ مرزا، آغا فیصل مرزا آغا عدیل مرزا، کوٹری۔ سید محمد ساجد علی کاظمی، بھکر۔ نادیہ تبسم افضل، لاہور۔ حاجی شہزاد حسین اعوان، ملتان۔

اعلان

اچھے ساتھیو! بوجھو تو جانیں کا یہ آخری مقابلہ ہے۔ اس ماہ سے یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔ جلد ہی ایک نئے اور دلچسپ کوئز کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ کوئز مقابلے کے سلسلے میں اگر آپ کوئی تجویز دینا چاہیں تو خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ادارہ۔

سیاچن گلیشئر

اسد علی خان

سیاچن، بلتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں جنگلی گلاب۔ بلتستان پاکستان کا حصّہ ہے اور سیاچن کے ارد گرد آباد لوگوں کی زبان بلتستانی ہے۔ اس علاقے میں پاکستان کی کرنسی چلتی ہے۔ سیاچن پاکستان کا دوسرا بڑا گلیشیئر ہے۔ سیاچن سولہ ہزار فٹ کی بُلندی پر واقع ہے۔ یہاں تمام جگہ برفیلی ہے۔ سخت سردی میں درجۂ حرارت منفی پچاس سے منفی تیس ڈگری تک ہوتا ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں بھی یہاں سردی برداشت نہیں ہوتی۔ سیاچن گلیشئر کو سب سے پہلے "ڈاکٹر سیف لانگ" نے دریافت کیا تھا۔ ساری دنیا میں سیاچن گلیشیئر کو پاکستان کا حصہ سمجھا جاتا ہے اس لئے دنیا کی جتنی بھی کوہ پیما جماعتیں اس علاقے کی چوٹیاں سر کرنے کے لئے آئیں تو انہوں نے حکومتِ پاکستان سے ہی اجازت نامے لئے تھے۔ پاکستان اور بھارت میں اقوامِ متحدہ کے سلامتی کونسل کے نمائندے کی رپورٹ کے مطابق بھی سیاچن گلیشیئر پاکستان کا ہی حصہ ہے۔

سیاچن گلیشیئر کشمیر کی طرف سے سولہ سے بائیس ہزار فٹ کی بُلندی پر واقع ہے۔ پاکستان کی طرف سے سیاچن گلیشیئر تک جانے کے لئے گلگت سے اسکردو اور پھر اسکردو سے آگے ڈم

سم کا میدانی علاقہ آتا ہے۔ یہاں سے سیاچن گلیشیئر اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ڈم سم سے آگے گوما کا علاقہ آتا ہے پھر درۂ سالتورد، پھر درۂ بیلا فونڈا۔ اس کے بعد درۂ گیانگ سے ہوتے ہوئے سیاچن تک جایا جاتا ہے لیکن سیاچن پر پہنچنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہاں پر ہمتیں جواب دے جاتی ہیں۔ حوصلے بار بار جاتے ہیں۔ ارادے ٹوٹ ٹوٹ کر بنتے ہیں۔ ٹھنڈی اور یخ ہواؤں میں چلنا اتنا دُشوار ہوتا ہے کہ یہ سفر کئی دن اور کئی راتوں پر محیط ہو جاتا ہے یہاں پر عام دنوں میں درجۂ حرارت منفی پچیس سینٹی گریڈ سے بھی کم ہو جاتا ہے اور پھر رات کے وقت تو اور بھی کم ہو جاتا ہے۔

اس علاقے میں سیدھی اور سپاٹ چڑھائیاں برف سے اٹی پڑی ہیں اور چلتے ہوئے پاؤں زمین پر نہیں ہوتے بلکہ برف میں دھنس جاتے ہیں۔ یہاں پر آکسیجن کی بے حد کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے سانس لینے میں دُشواری پیش آتی ہے اور قوتِ مدافعت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر بعض اوقات سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے برفانی جھکڑ بھی چلتے ہیں۔

اس علاقے میں ہیلی کاپٹر کو لینڈ کرنے کے بعد اس کا انجن بند نہیں کرتے اس لئے کہ یہاں پر آکسیجن کی .... شدید کمی ہے۔ اگر انجن بند کر دیا جائے تو پھر ڈر ہوتا ہے کہ کہیں دوبارہ انجن اسٹارٹ ہی نہ ہو۔

سیاچن کے محاذ پر فوجیوں کے لئے فائبر گلاس کے چھوٹے چھوٹے خیمے نصب ہیں۔ اس جگہ ایک فوجی جوان کو جو وردی پہننے کے لئے دی جاتی ہے اس کی قیمت چار ہزار ڈالر ہوتی ہے۔ جوتے بھی خاص قسم کے پہننے کو دیئے جاتے ہیں جو امریکہ سے منگوائے گئے ہیں۔ ایک جوڑے کی قیمت آٹھ ہزار روپے ہوتی ہے۔ یہ وردی مشکل سے چھ ماہ چلتی ہے۔ فائبر گلاس کے خیموں میں مسلسل مٹی کے تیل کا چولہا جلتا رہتا ہے۔ اگر یہ تمام احتیاطی تدابیر نہ کی جائیں تو سیاچن پر انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہو جائے۔ یہاں پر فوج نے آپس میں رابطے کے لئے ٹیلی فون لائینیں بچھائی ہوئی ہیں جو کئی کئی فٹ برف کاٹ کر بچھائی گئی ہیں۔ سیاچن گلیشیئر کی لمبائی ۷۵ کلو میٹر سے زائد اور چوڑائی پانچ کلو میٹر ہے۔ سیاچن گلیشیئر سے کے۔ ٹو کو بھی راستہ جاتا ہے۔ سیاچن گلیشیئر میں اتنی سردی ہوتی ہے کہ اگر ہاتھ بغیر دستانے کے کسی چیز سے لگ بھی جائے تو ہاتھ کا دورانِ خون رک جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خون جم گیا ہے اور ہاتھ سن ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو "سو بائٹ" کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہاتھ بیکار ہو جاتا ہے اور بالآخر اسے کاٹنا پڑتا ہے۔ سیاچن گلیشیئر پہنچنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو اسکردو سے ہو کر جاتا ہے اور دوسرا الداخ سے جاتا ہے۔ پاکستان اور چین کی سرحد پر واقع "درۂ کرلی" سیاچن گلیشیئر کا منبع ہے۔

۱۹۷۸ء سے قبل سیاچن کی کوئی سیاسی اور فوجی اہمیت نہ تھی مگر شاہراہِ قراقرم کی تعمیر مکمل ہونے کے چند ماہ بعد اس علاقے میں بھارت نے اپنی نظریں لگانا شروع کر دی تھی۔ ۱۹۸۳ء میں بھارت نے سیاچن کا جائزہ لینے کے بعد خفیہ طور پر ایک فوجی دستہ اس علاقے میں بھیجا۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں بھارت نے اچانک اس گلیشیئر پر اپنی فوجی چوکیاں قائم کر لیں۔ چونکہ یہ علاقہ غیر آباد اور انتہائی بلندی پر واقع ہے اور یہاں آمدورفت نہیں ہے، اس لئے پاکستان کو بروقت اس کی خبر نہ ہو سکی۔ پھر ایک دن پاکستانی کوہ پیما "محمد حفیظ" نے اس علاقے میں بھارتی فوجیوں کو کیمپ لگاتے دیکھا تو چپکے سے واپس آکر پاکستان کو اطلاع دی۔ جس پر پاکستانی آرمی نے فوجی کارروائی کی اور سیاچن پر باقاعدہ لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ بھارت کی پانچ چوکیوں میں سے تین پاکستانی جوانوں نے چھین لی ہیں۔ یہ دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ ہے۔ یہاں پر جہاں انسان کو انسانوں سے لڑنا پڑتا ہے، وہاں موسم کے بے رحم تھپیڑوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس علاقے میں ایک ہیلی کاپٹر کا خرچہ ایک گھنٹے میں تیس ہزار روپے ہو جاتا ہے۔ سیاچن کے محاذ پر متعین اکثر فوجی جوانوں کو شدید قسم کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں جن میں "پلمونری اوڈیمہ" اور "برین اوڈیمہ" کے حملے شامل ہیں۔ ان میں جسم کے حصے مفلوج ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر انسان کے پھیپھڑوں میں خون کی نالیوں میں ہوا کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور خون پھیپھڑے کی نالیوں سے باہر آجاتا ہے اس طرح پھیپھڑوں میں خون بھر جاتا ہے۔ خون کے سرخ ذرات پھیپھڑوں کے اندر رہ جاتے ہیں اور پانی باہر آجاتا ہے۔ ایسے مریض کو فوری طور پر آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ موت واقع ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔

شدید برف باری کی وجہ سے یہاں پر جوانوں کے ہاتھ اور پاؤں بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ سیاچن کے محاذ پر متعین بھارتی فوج کا یومیہ خرچ دو کروڑ روپے ہو رہا ہے۔ جبکہ پاکستان کا خرچہ اس سے کم ہے۔ پاکستان نے بھارت کی سپلائی لائن کو توڑنے کی غرض سے حال ہی میں درۂ گیانگ پر قائم بھارتی چوکی پر قبضہ کر کے اس درہ کو مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کر لیا ہے۔ ...... ● ...... ● ......

سیاچن کو سر کرنے والی مختلف کوہ پیما جماعتیں

ان سب جماعتوں نے "حکومتِ پاکستان" کی اجازت سے سیاچن گلیشیئر کو عبور کیا تھا جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) امپیریل کالج برطانیہ کی ٹیم نے ۱۹۵۷ء میں سر کیا۔
(۲) آسٹریلیا کی کوہ پیما ٹیم نے ۱۹۶۱ء میں سر کیا۔
(۳) جاپانی کوہ پیما ٹیم نے ۱۹۶۲ء میں سر کیا۔
(۴) جاپانی کوہ پیما ٹیم نے ۱۹۷۵ء میں سر کیا۔
(۵) جاپانی کوہ پیما ٹیم نے ۱۹۷۶ء میں سر کیا۔
(۶) جاپانی کوہ پیما ٹیم نے ۱۹۸۲ء میں سر کیا۔

خوشی کی بڑی خبر

تتلی کراچی
سلسلہ وار

کا آغاز کیا جا رہا ہے

نھنے مُنّے ساتھیوں
کے لیے خوش خبری

اب ادارہ آنکھ مچولی
کے تحت تیسری سے
چھٹی جماعت کے
بچّوں کے لیے؛

قاعدہ سائز کے ۱۶ خوبصورت رنگین صفحات پر مشتمل یہ کتابی سلسلہ آپ کے لیے

- مزیدار کہانیوں
- دلچسپ مضامین
- چٹ پٹے لطیفوں اور کارٹون
- بھول بھلّیوں
- انعامی مقابلوں اور رنگا رنگ تصویروں کے ساتھ شائع ہو گا؛

یاد رہے کہ "تتلی" کا ہر شمارہ خاص موضوع پر مشتمل ہو گا

ابتدائی تین شماروں کے موضوعات یہ ہیں

پیارا پاکستان	جنگل کی دُنیا	صحت

لکھنے والوں کو دعوتِ عام ہے کہ ان موضوعات پر ننھے منّے ساتھیوں کے لیے
آسان زبان میں ہلکی پھلکی مگر انتہائی مختصر تحریریں اور گنگناتی نظمیں
جلد ارسال کریں

رابطہ : ا - پی آئی بی کالونی، کراچی ۷۴۸۰۰

جب آپ نیلے آسمان پہ محوِ سفر ہوتے ہیں
تو آنکھ مچولی آپ کا ہم سفر ہوتا ہے

جی ہاں!

اگر آپ کبھی پی آئی اے سے سفر کر رہے ہوں
اور آپ کا دل کچھ پڑھنے کو چاہے ـــــ تو آپ اپنے فضائی میزبان
سے آنکھ مچولی کا تازہ شمارہ طلب کر سکتے ہیں
بات صرف اتنی سی ہے

آپ جہاں ہیں **آنکھ مچولی وہاں ہے**

• دلچسپ کہانیاں • مزیدار نظمیں • معلوماتی مضامین • چونکا دینے والی تصویریں

اور وہ سب کچھ جو صرف آنکھ مچولی میں ہوتا ہے

وقت کا بہترین استعمال آنکھ مچولی کا مطالعہ

آنکھ مچولی کو آپ ہمیشہ ایک سچا اور وفادار دوست پائیں گے

ادارہ آنکھ مچولی 1-پی آئی بی کالونی، کراچی

بہ خدمت جناب

حمیرا ناز سرور، گوجرانوالہ۔ مجھے آپ سے شکایت ہے۔ آپ میری تحریریں کیوں نہیں چھاپتے؟ ○ ......اور بھئی! ہمیں آپ سے شکایت ہے کہ آپ لوگ مختصر، معیاری اور دلچسپ تحریریں کیوں نہیں بھیجتے؟ **محمد یوسف، کراچی۔** مجھے آپ کو خط لکھنے کا بے حد شوق ہے۔ ایک کہانی بھیج رہا ہوں۔ کیا یہ چھپ جائے گی؟ ○ ...... شکر ہے ورنہ اکثر ساتھیوں کو خط لکھنے سے زیادہ خط چھپوانے کا شوق ہوتا ہے۔ اچھا اب آپ فٹافٹ کوئی اور دوسری اچھی سی کہانی بھیج دیجئے۔ **محمد عالم، کراچی۔** "جھوٹ کی شکست" ارسال کر رہا ہوں، اُمید ہے معیار پر پورا اُترے گی!! ○ ......جی ہاں معیار پر پورا اُتار نے کے بعد انشاء اللہ قلم قتلے میں چھاپ دیں گے۔ **مجیب ربّانی، سرائے سدھو۔** انکل! آپ ٹائیٹل کا عنوان نہیں دیتے۔ ہمیں اُلجھن ہوتی ہے۔ ○ ......بھئی اسی لئے تو عنوان نہیں دیتے ہیں۔ **راؤ شاہد اقبال؟** ڈیڑھ سو روپے ارسال کر رہا ہوں۔ مجھے سالانہ خریدار بنا لیجئے۔ ○ ......چُپکے سے کان میں سُن لیجئے۔ روپے پیسے لفافے میں نہیں بھیجتے ہیں۔ محکمہ ڈاک والے سُن لیں گے تو جرمانہ کر دیں گے۔ **شیخ عامر رشید، مرید کے۔** پہلی مرتبہ ہمت کر کے خط لکھ رہا ہوں کیونکہ میری لکھائی اچھی نہیں۔ ○ ......چلئے پھر تو آپ ہمارے ہی بھائی نکلے۔ ہماری بھی لکھائی ایسی ہی ہے۔ **ارم رؤف، راولپنڈی۔** آپ نے میری تحریریں شائع کیں۔ بہت شکریہ! ○ ......صرف شکریہ! کوئی اور تحریر لکھئے ناں!! **طارق وحید، تخت بھائی (سرحد)۔** آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو...... ○ ......آپ ایک اور خط لکھ دیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا! **محمد شاہد غفور، کسووال۔** مئی کا شمارہ پسند آیا۔ لطیفے بہت اچھے تھے۔ **محمد عظیم قریشی، اسلام آباد۔** کچھ تحریریں بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ ○ ......ماشاء اللہ سے آپ کی تحریروں کا ایک انبار جمع ہے۔ آپ نے بھی یہ سوچ لیا ہے کہ دیکھیں کہاں تک اور کب تک نہیں چھاپیں گے۔ **نعیم مشتاق نومی، کلر کہار۔** "فا

ایک خط ایک مسئلہ

جناب ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم

اس خط کے ذریعے میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ مسئلہ ہے طلبہ، اساتذہ اور والدین کے درمیان دوری کا۔ اُستاد کہتے ہیں کہ طالب علم ان کی عزّت نہیں کرتے، والدین کہتے ہیں کہ ان کے بچّے ان کے ہاتھوں سے نکلے جارہے ہیں، بدتمیز ہوگئے ہیں جب کہ طالب علموں کا کہنا ہے کہ والدین ہم پر توجّہ نہیں دیتے اور اُستاد ہمیں لاپرواہی سے پڑھاتے ہیں۔ !!! سوچنا یہ ہے کہ اصل قصور کس کا ہے؟

غور کیا جائے تو سب سے زیادہ قصور وار والدین اور اساتذہ ہیں۔ والدین کا غلط طرزِ عمل اور اساتذہ کی فرائض سے غفلت نے طالب علموں کا رویّہ تبدیل کر دیا ہے۔ بہت سے اُستاد ایسے ہیں جو کلاسوں میں جا کر پڑھاتے ہی نہیں۔ امتحانوں کے زمانے میں طالب علموں کو نوٹس فراہم کر دیتے ہیں یا الگ سے ٹیوشن پڑھا کر پاس کروا دیتے ہیں۔ طالب علم جب یہ دیکھتے ہیں تو محنت نہیں کرتے اور اُستاد کی ان ہی کوتاہیوں کے پیشِ نظر ان کے دلوں سے آہستہ آہستہ ان کی عزت ختم ہونے لگتی ہے۔ ایسے اُستاد بھی ہیں جو اپنے فرائض پوری دیانت داری سے ادا کرتے ہیں اور طالب علم ایسے استادوں کی بہت عزّت کرتے ہیں۔ جو اُستاد یہ کہتے ہیں کہ ان کی عزّت نہیں کی جاتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اساتذہ اپنے فرائض سے غفلت برت رہے ہیں۔

والدین کہتے ہیں کہ بچّے بدتمیز ہوگئے ہیں۔ ان کا کہنا نہیں مانتے تو اس کی وجہ خود ان کا رویّہ ہے۔ والدین اگر شروع سے ہی ان کی طرف سے لاپروانہ ہوتے اور ان پر پوری توجّہ دیتے تو بچّے کبھی بدتمیز نہ ہوتے۔

گھر اور اسکول طالب علم کی پہلی تربیت گاہ ہے۔ ذمّہ داران فرائض سے غفلت برتیں تو تباہ کن نتائج نکلتے ہیں۔ معاشرہ افراد سے مل کر بنتا ہے۔ درحقیقت معاشرہ آسمان سے اُتری ہوئی کوئی شے نہیں، اُستاد اور والدین کے غلط رویّوں ہی نے معاشرے کو ایک بگڑی ہوئی شکل دی ہے۔

اگر والدین اور اساتذہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں اور پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو فاصلے سمٹ سکتے ہیں، طالب علم اچھے بن سکتے ہیں اور معاشرہ سُدھرنے کی طرف پہلا قدم رکھ سکتا ہے.....!!!

ہلال احمد قادری، کراچی

کون" ارسال کر رہا ہوں۔ رائے سے آگاہ فرمائیں ○ ...... ترجمہ اچھا ہے۔ تحریر چھپ جائے گی۔ قرۃ العین عزیز، حافظ آباد۔ مئی کے شمارے میں شعیب محمد اور چاچوچڑ کا انٹرویو پسند آیا۔ آپ ہر ماہ کسی فنکار، کھلاڑی یا کسی بھی مشہور شخصیت کا انٹرویو شائع کیا کریں۔ ○ ...... آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر۔ مجاہد حسین، شیر شاہ کالونی (کراچی)۔ آپ آخر بچّوں کی دھمکیوں سے ڈر کیوں جاتے ہیں......؟ ○ ...... کیونکہ ہم بڑوں کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے۔ محمد ظہیر مدّثر بابر، اٹک۔ بخدمت جناب میں تمام خط تعریفی ہوتے ہیں۔ میں کسی کی تعریف نہیں کرتا سوائے اللہ اور رسول

کے۔ ○ ...... بھئی آپ تو تکلف سے کام لے رہے ہیں۔ یہ آپ ہی کا رسالہ ہے۔ **آصف وقار آصف، واہ کینٹ۔** "گن کے بتاؤ پاؤ انعام، کتنے چہرے کتنے نام" میں میرا نام انعام یافتگان میں شامل تھا لیکن ابھی تک انعام نہیں ملا ○ ...... آپ کا انعام عنقریب روانہ کیا جارہا ہے۔ **میر روح اللہ، کراچی۔** کہانی لکھنے کے لئے کیا کیا باتیں ضروری ہوتی ہیں؟ ○ ...... قلم، کاغذ، صلاحیت اور کوشش۔ **محمد اسحاق وردگ، پشاور۔** انکل! اگر آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا...... ○ ...... ارے! واقعی کیا آپ ہم سے ناراض ہو جائیں گے؟ **دشمن آلودگی (سائرہ) کوئٹہ کینٹ۔** ہمارا ملک آلودگی کے اندھیروں میں کھو جائے گا تو ہم کہاں رہیں گے؟ ○ ...... دھوئیں کے شہروں میں۔ **فہیم عزیز، لانڈھی (کراچی)** نواب علی کوورنہ اسٹیشن (چار سدہ) قیصر محمود، سیالکوٹ، رعنا ظہیر، گلشن اقبال (کراچی)۔ شعیب محمد اور چچا چونچ سے ملاقات خوب رہی۔ **جاوید اقبال قمر، رحیم یار خان۔** ہر ماہ بخدمت جناب میں خط لکھتا ہوں لیکن خط تو کیا رسید کے طور پر آپ میرا نام بھی شائع نہیں کرتے ○ ...... لیجئے! رسید حاضر ہے۔ اُمید ہے اب آپ کی شکایت دور ہو جائے گی۔ **قیصر محمود قیاسی، مانسہرہ۔** آپ مسلسل نظر انداز کر کے میرے ساتھ ناانصافی کر رہے ○ ...... ہم آپ کو نظر انداز کر دیں یہ نہیں ہو سکتا بھائی۔ **سید یحییٰ الحسینی، ملیر کالونی (کراچی)** آنکھ مچولی بچّوں کے تمام رسالوں میں نمایاں ہے۔ **فہد، کراچی۔** کافی عرصہ پہلے میں نے اور میرے چھوٹے بھائی نے قلمی دوستی میں اپنا تعارف بھیجا تھا جو ابھی تک نہیں چھپا ○ ...... ہمیں آپ کا تعارف نہیں ملا۔ آپ دوبارہ بھیج دیں ہم چھاپ دیں گے۔ **فریحہ عابد (؟)** آنکھ مچولی میں "فرسٹ ایڈ" کے نام سے ایک سلسلہ شروع کریں جس میں بچّوں کو مختلف ہنگامی حالات اور کسی کے زخمی ہونے کی صورت میں کئے جانے والے کاموں سے آگاہ کیا جائے ○ ...... فریحہ! آپ کی تجویز اچھی ہے۔ ویسے جون کے شمارے میں ہم نے اس موضوع پر ایک مضمون چھاپا ہے۔ **گلریز اسد ضیا، شاہ فیصل کالونی، (کراچی)۔** انکل! میں آپ کو اپنی تحریر پین سے، پنسل سے یا لال قلم سے لکھ کر بھیجوں؟ ○ ...... پین سے، ویسے تحریر تو ذہن سے لکھی جاتی ہے۔ **رحمت اللہ مروت جان (؟)** آپ کے رسالے میں بڑوں کو سمجھائیں کہ سگریٹ نہ سُلگائیں پڑھ کر میں نے بھی بڑے بھائی کو سمجھایا تو انہوں نے اس طرح تیز نظروں سے مجھے گھورا کہ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ بڑوں کو نہیں سمجھاؤں گا۔ ○ ...... آپ بھائی جان کو بتایئے کہ آپ ان سے محبّت کرتے ہیں۔ آپ کو ان کی صحت کی فکر ہے۔ بھائی جان کو آپ سے محبّت ہوگی (اور یقیناً ہوگی) تو وہ سگریٹ سے محبّت چھوڑ دیں گے۔ **عظمیٰ مجید، ملتان روڈ (لاہور)۔** مئی کے شمارے میں میرے ایک بھائی نے ایک اہم مسئلے کو چھیڑا ہے جسے معاشرے میں سب نظر انداز کر رہے ہیں۔ فحش عید کارڈز اور انڈیا کی فلمیں نوجوان نسل کے ذہنوں پر بُرا اثر ڈال رہی ہیں۔ بُرائی کو روکنا سب کی ذمّہ داری ہے۔ ہم سب کو مل کر اس بُرائی کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ والدین، اساتذہ اور معاشرے کے ذمّہ داران گمراہیوں کے سیلاب کے آگے بند باندھ سکتے ہیں......!! **اوّاب الصباح صدیقی، اسٹاف ٹاؤن (کراچی)۔** "پھولوں کا مشاعرہ" ارسال کر رہا ہوں امید ہے کہ پسند آئے گا ○ ...... آپ کے کاغذی پھول خوشبو سے خالی ہیں۔ اب آپ ہمیں کوئی پھڑکتا ہوا دلچسپ مگر مختصر مضمون ارسال کیجئے۔

عثمان بن سلیم، کراچی۔ جون کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ ۲۵ تاریخ کو ہی دستیاب ہو گیا، بڑی خوشی ہوئی۔ تمام مضامین اور کہانیاں اچھی تھیں سوائے ناک اور قلمی دوستی مُردہ باد کے۔ بجّاؤ کی پانچویں قسط پُر تجسس رہی۔ **محمد جاوید خالد**

صاحب کی نظم پسند آئی۔ ان کی کہانیاں بھی تو دیا کریں؟ ناہید اختر، ریحانہ کوثر، شبانہ راحیلہ، فوزیہ، مبسم، شازیہ، سونیا، آمنہ، علی خان، عمیر خان، فرحان خان، قصور۔ انکل! اب آپ جلدی سے مشہور کرکٹ اسٹار انضمام الحق کا انٹرویو شائع کریں ○ ...... بھئی اس بار ہم راشد لطیف (وکٹ کیپر) کا انٹرویو چھاپ رہے ہیں اور انضمام الحق کے انٹرویو کی فرمائش بھی انشاء اللہ پوری کی جائے گی۔ **قاسم بن ظفر، کراچی۔** جون کے شمارے میں فالتو آدمی اور گلگلے پسند آئے۔ میں نے آپ کو جو تحریر بھیجی ہے وہ قابل اشاعت ہے یا...... ○ ...... جی ہاں وہی ہوا جس کا آپ کو ڈر تھا۔ اب آپ کوئی اور اچھی سی تحریر لکھ کر روانہ کیجئے۔ **محمد کامران ایوب، کراچی** "ساتھی بچپن کے" ایک فضول اور بے کار سلسلہ ہے اسے بند کر دینا چاہئے۔ ○ اب آپ ان بچّوں سے ذرا بچ کر رہئے گا جن کی اس میں تصویریں چھپی ہیں۔ **نائلہ بختیار، کوہاٹ۔** آپ نے میری کوئی کہانی شائع نہیں کی۔ میں آپ سے بہت ناراض ہوں ○ ...... ناراض تو ہم بھی آپ سے ہیں۔ آپ نے اب تک کوئی اچھی سی تحریر ہمیں کیوں نہ بھیجی، آپ کی معلومات اگست میں چھاپ رہے ہیں۔ **رئیس احمد مغل، پشاور۔** آنکھ مچولی روز بروز نکھرتا جارہا ہے۔ پیسٹنگ، پرنٹنگ، اسکیچز اور مواد، نہایت اعلیٰ معیار کے حامل ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ آنکھ مچولی رفتہ رفتہ ادب سے زیادہ صحافت کی جانب بڑھ رہا ہے۔ **محمد اعظم خان، کراچی۔** جون کا آنکھ مچولی بے حد پسند آیا لیکن اپنی کہانی "پکنک عذاب جان" نہ پاکر بہت مایوسی ہوئی ○ ...... دیکھئے نا کبھی کبھی پکنک پہ جاکر بھی مایوسی تو ہوتی ہی ہے۔ کوئی اور تحریر بھیج دیجئے۔ **سہام رفیق، چاچڑاں شریف۔** جون کا سرورق بے حد خوبصورت تھا۔ بوجھو تو جانیں میں اپنا نام دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ بکرا کہانی، سرائے، قلمی دوستی مژدہ باد اور ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ حقوقِ اطفال نمبر میں اوّل آنے پر بہت بہت مبارک باد قبول فرمائیں۔ ○ ...... شکریہ۔ **جاوید عبدالکریم سحر، کراچی۔** جون کے شمارے میں کہانیاں کم مضامین زیادہ تھے۔ آنکھ مچولی کے اسکیچز کہانیوں میں جان ڈالتے ہیں لیکن چند مہینوں سے کلارنگ پکا نہیں لگ رہا جس کی وجہ سے اسکیچز پھیکے نظر آرہے ہیں۔ **عالیہ صدف، سرگودھا۔** جون کے آنکھ مچولی کی تمام کہانیاں شہد جیسی مٹھاس اور لیموں جیسے کھٹے پن سے بھرپور تھیں۔ ○ ...... لگتا ہے آپ نے مٹھائی اور اچار کھانے کے بعد یہ خط لکھا ہے۔ جون کے شمارے کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ! **اظہر کمال، کراچی۔** پہلے تو آپ باسی عید کی مُبارک باد قبول کریں اور پھر میرا خط شائع کریں ○ ...... اچھا تو آپ مُبارک باد کے بہانے اپنا خط شائع کرانا چاہتے ہیں۔ چلئے! آپ کی مبارک باد قبول کی اور آپ کا خط بھی۔ **پرنس افضل شاہین، بہاول نگر۔** جون کا پیارا پیارا آنکھ مچولی پڑھا بہت پسند آیا۔ دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے اوّل آنے پر مبارک باد قبول کیجئے۔ ○ ...... بھائی! آپ کی مبارک باد کا بے حد شکریہ! **اسد فاروق، کامرہ (اٹک)** آنکھ مچولی واحد رسالہ ہے جس کے خریدنے پر گھر والوں نے مجھے شاباش دی۔ یہ میرا پہلا خط ہے ○ ...... اب آپ دوسرا خط لکھنے کی تیاری شروع کر دیں تاکہ ہم آپ کو شاباش دے سکیں۔ جون کا شمارہ پسند کرنے کا بے حد شکریہ! **محمد یونس حسین، کراچی۔** اگر آپ رسالے میں بلاعنوان کہانی کا انعامی مقابلہ شروع کر دیں تو قسم سے مزا آجائے!! ○ ...... آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر لیکن یہ آپ قسم کیوں کھا رہے ہیں؟ کھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، وہ کھائیں۔ **فرحت جبین، کراچی۔** میں کئی سالوں سے آنکھ مچولی کا مطالعہ کر رہی ہوں مجھے یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔ ○ ...... شکریہ! **سکندر بٹ، گوجرانوالہ۔**

.میں نے ایک ضروری بات نوٹ کی ہے کہ آپ بلاوجہ "!!! جیسے نشانات ڈالتے رہتے ہیں۔ کیوں؟ ○ .... بھائی سکندر! آپ نے بھی تو "؟" نشان ڈالا ہے۔ آخر کیوں؟

بلیک کیٹ

بلیک کیٹ (BLAK CAT) کی ایجاد سے ایک اسلامی ملک کے ایٹمی ریسرچ پلانٹ کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی لیکن سازش ناکام بنا دی گئی۔

محمد عمر احمد خان

اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کے ائیر پورٹ کے مضافاتی علاقے کو عبور کرنے کے بعد بلیک مرسڈیز نے ایک چھوٹا سا موڑ کاٹا پھر ایک بڑی سی عمارت کے وسیع و عریض پارکنگ لاٹ میں داخل ہو گئی۔ پوری عمارت میں زبردست پہرہ تھا اور سخت قسم کے حفاظتی اقدامات کئے گئے تھے۔ کار جیسے ہی رُکی، جدید ترین ہتھیاروں سے لیس دو سکیورٹی گارڈ دوڑتے ہوئے آئے۔ مرسڈیز رُک چکی تھی اور اس کا دھیمی آواز والا انجن آخری ہچکی لے کر خاموش ہو چکا تھا۔ ایک سکیورٹی گارڈ نے بڑے ادب سے گاڑی کا دروازہ کھولا پھر مہمان کو کار سے اُترتا دیکھ کر وہ احتراماً کورنش بجا لایا۔ دوسرے سکیورٹی گارڈ نے میٹنگ روم تک پہنچنے میں مہمان کی رہنمائی کی۔ سفید بالوں اور سیاہ رنگت والے مہمان نے کن انکھیوں سے ماحول کا جائزہ لیا۔ عمارت کے چپے چپے پر پہرہ لگا ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہے نا ؟ " مہمان نے شائستہ انگریزی میں گارڈ سے پوچھا لیکن اس کا لہجہ بے چینی کی چغلی کھا رہا تھا۔ "جناب! میں سمجھا نہیں۔ "
"مم...... میرا مطلب ہے فلسطینیوں کی دہشت گرد تنظیم ...... کیا نام ہے اس کا۔ ہاں! انتفاضہ... اس نے دھمکی دی تھی نا اس عمارت کو بم سے اڑانے کی۔ کہیں وہ لوگ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے......؟ "

"ارے! آپ بالکل بے فکر رہیں، اس عمارت کے چاروں طرف اتنا زبردست پہرہ ہے کہ انتفاضہ کے دہشت گرد تو کیا چڑیا کا کوئی بچّہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ "

گارڈ کی پُرجوش آواز سن کر مہمان نے اطمینان کی سانس لی اور میٹنگ ہال میں پہنچ کر اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جہاں کچھ ہی دیر بعد انتہائی ایمر جینسی میں بلائی جانے والی یہ میٹنگ شروع ہونے والی تھی۔

.... ○ ....

"میں تمام معزز مہمانوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ "

میٹنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تو سوٹ بوٹ میں ملبوس گنجے سر والے میزبان نے دیدے گھُما کر میٹنگ میں آئے ہوئے مہمانوں کو خوش آمدید کہا اور پھر اس نے اہم اور خفیہ میٹنگ کے اغراض و مقاصد بیان کئے، جس کا لب، لباب یہ تھا کہ ایشیا کا ایک اسلامی ملک جس کا ایٹمی پلانٹ، ایٹمی منصوبوں کا گھر بنا ہوا ہے اور جس کی ایٹمی صلاحیت دنیا کے لئے خطرہ بن سکتی ہے، اس کے ایٹمی پلانٹ کو کس طرح تباہ کیا جائے؟؟ دنیا کے چھ بڑے اسلام دشمن ممالک کے سائنس دانوں کو اس بات کی دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس میٹنگ میں کوئی ایسی ایجاد یا کوئی ایسا فارمولا لے کر آئیں جس کی مدد سے ایشیا کے اس اسلامی ملک کے ایٹمی پلانٹ کا خاتمہ کر دیا جائے۔

گنجے شخص نے جو اجلاس کی صدارت کر رہا تھا اپنی بات کے آخر میں تمام سائنس دانوں سے کہا، "مجھے امید ہے کہ آپ لوگوں نے اس اہم منصوبے پر کافی سوچ بچار کیا ہو گا اور یقیناً کوئی ایسا منصوبہ تیار کر لیا ہو گا جس کی مدد سے ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ "

پھر اس نے سائنس دانوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ سب سے پہلے ایک یورپی سائنس دان نے زہریلی گیس کا منصوبہ پیش کیا۔ اس نے جو گیس ایجاد کی تھی وہ نہایت ہی زہریلی اور خطرناک تھی۔ منٹوں سیکنڈوں میں بندے کو دوسرے جہان میں پہنچا دیتی تھی لیکن اس سائنس دان کا منصوبہ رد کر دیا گیا کیوں کہ اس پر عمل در آمد دُشوار تھا۔ ایک دوسرے سائنس دان نے ایک نہایت طاقتور قسم کا میزائل ایجاد کیا تھا۔ اس نے میٹنگ میں میزائل کے ماڈل کو پیش کرتے ہوئے اس کی خوبیوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس میزائل کو کسی بھی مقام سے چلایا جائے، یہ اپنے

مقررہ ہدف پہ پہنچتا ہے اور اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ جس مقام یا جگہ سے اسے چلایا جائے اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔ یہ سائنس دان اپنی خطرناک ایجاد پر بے حد خوش تھا لیکن اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب گنجے میزبان نے اسے بتایا کہ ایٹمی طاقت والے اسلامی ملک نے ایسے میزائلوں کا توڑ کر رکھا ہے۔

یورپ کے پانچ سائنس دانوں کی ایجادات اور منصوبے رد کر دیئے گئے تھے۔ اب ایشیا کے ایک بہت بڑی آبادی والے ملک کے سائنس دان کی باری تھی۔ کالی رنگت والا سائنس دان بڑے فخر کے ساتھ اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا۔ اپنی ایجاد کے متعلق وہ ابھی کچھ بتانا ہی چاہتا تھا کہ عمارت کے باہر زور دار دھماکہ ہوا۔ دھماکے کی شدّت سے عمارت لرز اُٹھی۔ تمام سائنس دانوں کے چہروں پر موت کے سائے منڈلانے لگے۔

.... ○ ....

"انتفاضہ" نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ انہیں اس شیطانی میٹنگ کی اطلاع مل چکی تھی۔ چناں چہ اس میٹنگ کو ناکام بنانے کے لئے انہوں نے چھ مجاہدین بھیجے تھے جن میں سے چار کام میں آ گئے جب کہ دو مجاہدین پکڑے گئے تھے۔ مجاہدین کے فٹ کئے ہوئے تمام بم پھٹ نہیں سکے تھے۔ صرف دو بم ہی پھٹے تھے لیکن ان دو بموں نے کام کر دکھایا تھا۔ میٹنگ منسوخ کر دی گئی تھی اور خوفزدہ مہمان سائنس دانوں کو جلدی جلدی ایک دوسری عمارت میں منتقل کیا جا رہا تھا۔

.... ○ ....

"انتفاضہ" نے چار مجاہدین کی شہادت اور دو مجاہدین کی گرفتاری دے کر اپنی دھمکی کو نہ صرف عملی جامہ پہنا دیا تھا بلکہ اپنی دانست میں شیطانی میٹنگ کو ناکام بنانے کی پوری کوشش کی تھی، لیکن شیطان صفت سائنس دانوں کی میٹنگ جاری تھی اور ایشیا سے تعلق رکھنے والا سائنس دان بڑے جوش و خروش سے اپنی ایجاد کے متعلق بتا رہا تھا۔

تمام سائنس دان بڑی حیرت سے اس کے منصوبے کو سُن رہے تھے۔ اس کا منصوبہ نہایت سادہ اور آسان فہم تھا۔ گنجے میزبان کی آنکھوں میں چمک کالی رنگت والے ایشیائی سائنس دان کی باتوں سے بڑھتی جا رہی تھی۔

پورا منصوبہ بیان کرنے کے بعد ایشیائی سائنس دان نے اپنی ایجاد سب کے سامنے پیش کرنے کی اجازت طلب کی اور گنجے میزبان کی آنکھوں کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنے سامنے پڑے ہوئے تھیلے کی زپ کھولنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے والی ایجاد تھیلے سے باہر نکلنے والی تھی۔ میٹنگ میں شریک تمام سائنس دانوں کی نگاہیں بے چینی کے ساتھ تھیلے پر جمی ہوئی تھیں زِپ کُھل گئی تو کالے رنگ کی ایک بلّی اُچھل کر تھیلے سے باہر آ گئی۔

.... ○ ....

اسلامی ملک کا دارالحکومت رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجا ہوا تھا۔ ایک بڑی سی عمارت پر بہت سے ممالک کے پرچم لہرا رہے تھے۔ ایک ہفتے بعد اس عمارت میں ایک سیمینار منعقد ہونا تھا جس میں دنیا بھر کے سائنس دانوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ سیمینار کا موضوع تھا "ایٹمی صلاحیت انسانوں کی فنا کے لئے نہیں بلکہ ان کی بقا اور ترقی کے لئے ہے"۔

.... ○ ....

صبح کے کوئی سات بجے کا وقت تھا۔ سردی اپنے عروج پر تھی۔ اسلامی ملک کے دارالحکومت کی سڑکوں پر اکا دکا گاڑیاں چلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اچانک سفید رنگ کی ایک خوبصورت بڑی سی گاڑی دارالحکومت سے نکل کر ایک سنسان سڑک پر دوڑنے لگی۔ پھر ایک موڑ کاٹتے ہی گاڑی کی رفتار دھیمی ہو گئی۔ کار کا دروازہ کھلا پھر کسی نے بڑی آہستگی سے کوئی چیز سڑک کے کنارے ڈال دی۔ وہ ایک کالے رنگ کی خوبصورت سی بلّی تھی، جس کی بڑی بڑی آنکھوں میں مقناطیسی کشش نظر آ رہی تھی۔

کار کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد بلّی نے ایک لمبی سی انگڑائی لی۔ چیتے کی طرح اپنے جسم کو ناپا تولا پھر ایک لمبی سی جست لگا کر ممنوعہ علاقے کی طرف دوڑنے لگی۔ یہ ممنوعہ علاقہ ایٹمی پلانٹ سے متعلق تھا۔

.... ○ ....

ڈاکٹر زبیر نے بڑی حیرت سے اس کالے رنگ کی بلّی کی طرف دیکھا جو میاؤں میاؤں کرتی ہوئی ان کے اسٹڈی روم میں چلی آئی تھی۔ انہوں نے انٹلی جینس آفیسر اُسامہ کو بلوایا اور اُسامہ بھی بلّی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ بات ہی حیرانی کی تھی کیوں کہ ایٹمی پلانٹ کے اندر کسی بھی قسم کے جانوروں کا داخلہ منع تھا، پھر سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ بلّی عمارت کے اندر آئی کیسے؟ عمارت کے چاروں طرف کا ممنوعہ علاقہ بجلی کے تاروں سے ڈھانپ دیا گیا تھا اور ان تاروں میں چوبیس گھنٹے برقی رو موت بن کر دوڑتی رہتی تھی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ بلّی نے برقی تاروں کو کس طرح عبور کیا اور سکیورٹی کے اعلیٰ انتظامات کس طرح فیل ہو گئے..... ؟؟؟

.... ○ ....

اُسامہ نے بلّی کو چمکارا تو وہ غرّانے لگی۔ اُسامہ نے بلّی کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور پلانٹ کے اندرونی حصّے کی طرف جانے لگی۔ ڈاکٹر زبیر چلّائے۔

"اُسامہ! ایکسرے مشین تیار کرو!!!"

اُسامہ بھاگ کر ڈاکٹر صاحب کے کمرے سے ایکسرے مشین اٹھا لایا اور پھر جب اس نے بلّی کے اوپر ایکس رے مشین کی مدد سے شعاعیں پھینکیں تو مشین کے ٹی وی پر تفصیلات آنے لگیں۔

بلّی اور یجنل نہیں تھی بلکہ مشینی روبوٹ کو بلّی کی شکل دی گئی تھی اور بلّی کے پیٹ میں نہایت طاقتور

قسم کا دھماکہ خیز مادہ ایک چھوٹی سی ڈبیا میں بند تھا، جو ایکس رے مشین کے ٹی وی میں نظر آ رہا تھا۔

"اوہ میرے خدا! اس مشینی بلّی کو کہیں دور سے کسی ریموٹ کنٹرول سے چلایا جا رہا ہے اور دشمن کسی بھی وقت اس کے پیٹ کے اندر موجود دھماکہ خیز مادے کو بلاسٹ کر سکتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب چلاّئے۔

اُسامہ نے ٹی وی اسکرین پر دھماکہ خیز مادے کی رینج پڑھی جو پورے ایٹمی ریسرچ پلانٹ کی عمارت کو تباہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

.... ○ ....

اسلامی ملک کے ایٹمی ریسرچ کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ پلانٹ کسی بھی لمحے ایک زور دار دھماکے کے ساتھ اُڑنے والا تھا صرف ایک بٹن کو دبانے کی دیر تھی جو ریموٹ کنٹرول میں لگا تھا اور یہ ریموٹ کنٹرول سفید کار والوں کے پاس تھا۔ سفید کار ایٹمی پلانٹ کے ممنوعہ علاقے سے کافی دور ہرے بھرے درختوں سے گھرے ایک علاقے میں سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

.... ○ ....

ایٹمی پلانٹ میں خطرے کا سائرن بجنے لگا تھا۔ پلانٹ میں کام کرنے والے انجینئرز، سائنس دان محفوظ مقام پر منتقل ہونے لگے تھے۔ سیکورٹی کا عملہ بڑی تیزی کے ساتھ انہیں محفوظ مقام پر منتقل کر رہا تھا۔ اسلامی ملک کے وزیر اعظم، صدر اور آرمی کے ہیڈ کوارٹر کے سربراہ کے ہنگامی ٹیلی فون کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔

پلانٹ خطرے میں تھا اور اسلامی ملک کی سلامتی خطرے میں پڑ گئی تھی۔

.... ○ ....

"یار! یہ لال بٹن دب کیوں نہیں رہا؟" سفید کار میں بیٹھے ریموٹ کنٹرول پکڑے ہوئے شخص نے پریشان ہو کر کہا۔

"تمہیں ٹھیک طرح سے معلوم ہے کہ یہی بٹن دبانے سے "بلیک کیٹ" بلاسٹ ہوگی!!" دوسرے شخص نے جس کا نام شیکھر تھا، بڑی بے صبری سے پوچھا۔

پھر پانچ منٹ گزر گئے۔ لال بٹن سردی کے اثر سے جام ہو گیا تھا یا پھر قدرت نے اسے جام کر دیا تھا اور پھر ان پانچ منٹ کا پورا فائدہ ڈاکٹر زبیر اور انٹلی جینس آفیسر اُسامہ نے اٹھا ہی لیا۔

اُسامہ نے صرف آدھ منٹ میں مشینی بلّی کو بے ہوش کرنے والی گن سے بے اثر کر دیا اور صرف چار منٹ میں ڈاکٹر زبیر نے مشینی بلّی کا جوڑ جوڑ الگ کر کے اس کے پیٹ کے اندر کا دھماکہ خیز مادے کا فیوُز ناکارہ بنا دیا۔

"اللہ کا شکر ہے! سازش ناکام ہو گئی!!۔" ڈاکٹر زبیر نے خوشی سے اُسامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہمیں اب اس سازش کا تانا بانا بننے والوں کا پتہ چلانا پڑے گا۔" "آؤ! کنٹرول روم میں

چلتے ہیں۔ پہلے صدر وزیر اعظم اور چیف آف آرمی اسٹاف کو سلامتی کی خبر سنا دیں۔"

.... ○ ....

دارالحکومت میں دُنیا کے مختلف ممالک کے سائنس دان جمع تھے۔ سیمینار ہال میں ایٹمی توانائی کے پُرامن استعمال سے متعلق مقالے پڑھے جا رہے تھے۔ تقریباً تمام سائنس دانوں نے ایٹمی توانائی سے خطرناک ہتھیار بنانے کی پُرزور مخالفت کی تھی۔ البتہ اس کے پرامن استعمال کی حمایت کی تھی۔

آخر میں ایٹمی ریسرچ کے سربراہ ڈاکٹر زبیر نے مقالہ پڑھا۔ مقالے کے اختتام پر انہوں نے دُنیا کے تمام سائنس دانوں کو اس سازش سے آگاہ کیا جو صرف تین روز پہلے ان کے ایٹمی ریسرچ پلانٹ کے خلاف تیار کی گئی تھی۔

"ہمارا ایٹمی پروگرام خالصتاً پُرامن مقاصد کے لئے ہے لیکن ہمارا یہ پروگرام چند لوگوں کی نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔ ہم انہیں بتادینا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے پروگرام کے خلاف سازشوں سے باز آ جائیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو اُسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" ڈاکٹر زبیر کہہ رہے تھے اور ایشیائی ممالک کے سائنس دانوں کی صف میں بیٹھا ہوا "بلیک کیٹ" کا موجد سر جھکائے اپنے ان آدمیوں کو کوس رہا تھا جو ایک ریموٹ کنٹرول نہ چلا سکے تھے، بعد میں پکڑے بھی گئے تھے اور راز فاش ہونے سے پہلے ہی زہریلے کیپسول کھا کر سازش پر پردہ ڈال گئے تھے۔ بلیک کیٹ کا موجد سازش پر پردہ رہ جانے کی وجہ سے مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن اسے معلوم نہیں تھا اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا کالا چشمہ لگائے انٹلی جنس کا آفیسر اُسامہ تقریر نہیں سُن رہا بلکہ اسے غصّے سے گھور رہا ہے!!!

کرن کرن سورج

○ ...... روح کی گہرائی سے نکلی ہوئی بات روح کی گہرائی تک ضرور جاتی ہے۔

○ ...... سورج دور ہے لیکن دھوپ قریب۔

○ ...... اچھے لوگوں کا ملنا ہی اچھے مستقبل کی ضمانت ہے۔

○ ...... عروج اس وقت کو کہتے ہیں جس کے بعد زوال شروع ہوتا ہے۔

○ ...... ہم لوگ فرعون کی زندگی چاہتے ہیں اور موسیٰ کی عاقبت۔

○ ...... اگر چھت گرنے لگے تو بھاگ جاؤ اور آسمان گرنے لگے تو ٹھہر جاؤ۔

○ ...... آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ نہیں جو گزر چکی ہے بلکہ عمر وہ جو ابھی باقی رہتی ہے۔

○ ...... بچہ بیمار ہو تو ماں کو دعا مانگنے کا سلیقہ آ جاتا ہے۔

مرسلہ۔ نوشی، کراچی

انعامی مقابلہ

امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

ا۔ جادو کا ایک پودا اپنی پیدائش کے دوسرے دن سے جب کہ اس کی پتیاں نکل آئیں، ہر روز چار گُنا بڑا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر روز اسی رفتار سے بڑھتا ہے حتیٰ کہ جب پتیاں آٹھ دن کی ہو جاتی ہیں تو پودا بڑھنا بند کر دیتا ہے۔ اگر تیسرے دن پودا آٹھ سنٹی میٹر بلند تھا تو ذرا بتایئے کہ آخری دن وہ کتنا اونچا ہو گا؟

۲۔ تصویر میں دیئے گئے ضرب کے سوال میں ہندسوں کے بجائے حروف لکھے گئے ہیں۔ یہ ہندسے صفر سے نو تک کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ فرض کیجئے بی برابر نہیں ہے ایک کے۔ تو بتایئے کہ اے بی اور سی کی جگہ کون کون سے ہندسے آئیں گے؟

۳۔ حارث نے فیصلہ کیا کہ وہ نئے سال کے لئے سفید، نیلی اور سبز شرٹیں خریدے گا۔ اس نے سوچا کہ وہ تمام رنگوں کی شرٹیں برابر برابر مقدار میں خریدے گا۔ سفید، نیلی اور سبز شرٹوں کی قیمت بالترتیب دو روپے، چار روپے اور چھ روپے فی شرٹ ہے۔ جب وہ دکان پر گیا تو اسے کچھ بہتر معیار کی سفید شرٹیں نظر آئیں۔ اس نے سوچا کہ وہ سفید اور سبز رنگ کی شرٹوں پر ایک جیسی رقم خرچ کرے گا۔ بعد میں اس نے پہلے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے کچھ نیلی شرٹیں بھی خرید لیں لیکن اس سے اس کا دوسرا فیصلہ بھی متاثر نہیں ہوا۔ آپ بتایئے اس نے ہر رنگ کی کتنی شرٹیں خریدیں؟

۴۔ چار لڑکے چار ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے سیب کے باغ میں سے چار دن میں تمام پھل توڑ لیتے ہیں۔ بتایئے اگر ہر لڑکا اسی شرح سے کام کرے تو چالیس ایکڑ کے باغ میں سے چالیس دن میں تمام سیب توڑنے کے لئے کتنے لڑکوں کی ضرورت ہوگی؟

گزشتہ ماہ کے سوالوں کے درست جوابات :۔

۱۔ ناممکن ہے۔

۲۔ چیونٹیاں ایک دوسرے کے راستے کو چھ مرتبہ کاٹیں گی۔

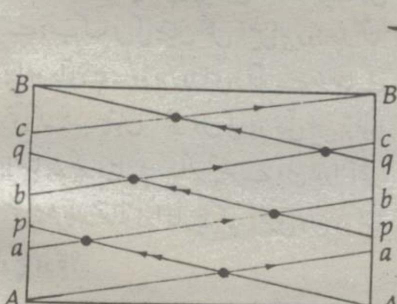

۳ـ ۲۴ طریقوں سے۔

۴ـ کرمو ایک درخت کو درمیان میں رکھتے ہوئے مربع شکل یا مستطیل شکل کے پلاٹ میں نو پودوں کو آٹھ لائنوں میں لگا سکتا ہے۔ جیسا کہ شکل میں دکھایا ہے۔

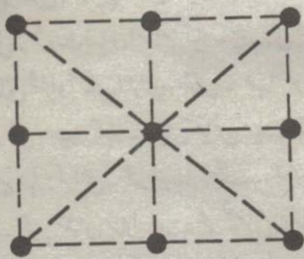

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب ساتھی :۔

امجد اقبال، منڈی بہاؤ الدین۔

بالکل درست جواب دینے والے ساتھی :۔

آصف متین، کاشف متین، کراچی۔ محمد جبران عبدالقیوم، حیدر آباد۔ محمد عاصم صدیقی، حیدر آباد۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ تہمینہ سبین، حیدر آباد۔ جہاں زیب قریشی، حیدر آباد۔ جنید اختر، کراچی۔ طیب شاہ، کراچی۔ محمد ارشد، منڈی بہاؤ الدین۔

ایک غلطی کرنے والے ساتھی :۔

سائرہ صدف، رحیم یار خان۔ اظفر تنویر، ملتان۔ انشیٰ حسنات، کمالیہ۔ اظہر کمال، کراچی۔ حنا جتوئی، حیدر آباد۔ ابتسام ساجد، کمالیہ۔ صفدر احمد، منیر احمد، لاوہ۔ محمد نعیم عابد، کمالیہ۔ ساجد کمالوی، کمالیہ۔ محمد ابراہیم، کراچی۔ احمر فرقان، ملتان۔ ارشد عباس، چار سدّہ۔ شاہد پرویز، خوشاب۔ محمد عظیم قریشی، محمد اختر قریشی، اسلام آباد۔ نسیمہ اختر قریشی، ثناء اختر قریشی، منیبہ خانم، اسلام آباد۔ محمد کاشف عبدالقدیر خان، کراچی۔ صائمہ جبیں، حیدر آباد۔

ایک سے زیادہ غلطیاں کرنے والے ساتھی :-

فیصل مختار، ملتان۔ پرنس ملک سرفراز احمد، ملتان۔ محمد کامران ایوب، کراچی۔ سید مظہر علی، حسان صدیقی، انعم صدیقی، اقصاء صدیقی، عاصم علی، عرشان بیگ، کراچی۔ ایم الیاس کھتری، کراچی۔ خالد جتوئی، حیدر آباد۔ عبدالعزیز کھتری، کراچی۔ عالیہ صدف، سرگودھا۔ شارق عزیز، وقاص، طلحہ، کراچی۔ شاہدہ عبدالرشید، کراچی۔ ثروت ضیاء، اسلام آباد۔ چوہدری محمد فرخ حسن، ملتان۔ محمد عاطف، پشاور۔ محسن یٰسین، کراچی۔ حاجی شہزاد حسین اعوان، ملتان۔ عبدالشکور شیخ، شہداد کوٹ۔ سید محمد ساجد علی کاظمی، بھکر۔ سید محمد حیدر علی، حیدر آباد۔ میاں فیاض میانہ، چشمہ بیراج۔ توصیف الرحمٰن، واہ کینٹ۔ عمار فاروق، جھنگ۔ صابر جبار، کراچی۔ محمد طیب، جھنگ۔ عمران بشیر کراچی۔ محمد ندیم خلد، بہاول پور۔ محمد نعمان خالد، بہاول پور۔ تنویر شہزاد، بہاول پور۔ محمد نعیم، بہاولپور۔ محمد قاسم گورایہ، حماد الرحمٰن گورایہ، رضوان احمد گورایہ، مسز سجاد، (ممتاز بسرا) گوجرانوالہ۔ محمد علی رضا، لاہور۔ چوہدری محمد شفیع طاہر، جھنگ۔ چوہدری محمد عمران رمضان، جھنگ۔

اس مقابلے میں ہم آپ سے حسابی نوعیت کے اور کامن سنس کے صرف چار سوالات پوچھتے ہیں۔ بالکل صحیح جوابات دینے والے ذہین ساتھی کو ایک عدد **کیلکو لیٹر** انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔ زیادہ تعداد میں صحیح جوابات موصول ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جاتا ہے۔

مقابلے میں شرکت کی شرائط حسبِ ذیل ہیں (1) جوابات واضح، صاف اور خوش خط لکھئے (2) جوابات ماہِ رواں کی ۱۰ تاریخ تک ادارے کو موصول ہو جائیں (3) بالکل الگ لفافے میں الگ کاغذ پر صرف جوابات اور بھیجنے والے کا مکمل پتہ درج ہو، تاخیر سے اور پتے کے بغیر موصول ہونے والے خطوط مقابلے میں شریک نہیں کئے جائیں گے؛

(پتہ) انچارج انعامی مقابلہ "امتحان ہے آپ کی ذہانت کا" — ماہنامہ "آنکھ مچولی" ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی

غرور کا انجام

عطاء عابدی

حامد تھا مدرسے کا اک ہونہار بچّہ
وہ علم کا تھا جویا اور ہوشیار بچّہ

عزّت بڑوں کی کرتا، چھوٹوں سے پیار کرتا
سب کو سلام کرتا، سب سے ادب سے ملتا

اک روز اس کے دل میں شیطان آسمایا
تخمِ غرور بویا، نخوت پہ ورغلایا

اب سوچنے لگا وہ، اونچی ہے ناک میری
بیٹھی اسی لئے ہے لوگوں پہ دھاک میری

اوروں سے دور ہو کر اپنے میں کھو گیا وہ
بستی میں، مدرسے میں، تنہا سا ہو گیا وہ

تنگ آکے رفتہ رفتہ لوگوں نے ساتھ چھوڑا
یاروں نے منہ کو موڑا، اپنوں نے رشتہ توڑا

اب ساتھ وہ کسی کے ہر گز نہ بات کرتا
کوئی بھی مدرسے تک اس کے نہ ساتھ چلتا

اک روز راستے میں دیکھا نہ اس نے پتھر
زخمی ہوا وہ کافی، کھائی جو اس نے ٹھوکر

جب خون بہہ گیا تو بے ہوش ہو گیا وہ
ہوش آگیا تو اپنی حالت پہ رو پڑا وہ

کوئی نہ تھا وہاں جو اس کی مدد کو آتا
لنگڑاتا اور روتا، اس شام گھر کو پہنچا

اک ہفتہ بعد اس کا سالانہ امتحاں تھا
لیکن علاج ہی میں وہ پورا ہفتہ گزرا

القصہ امتحاں میں ناکام ہو گیا وہ
تھا نیک نام کل تک، بدنام ہوگیا وہ

بستی میں، مدرسے میں باقی رہی نہ عزت
اب اس کے واسطے تھی نفرت و حقارت

بچّو فقط کہانی ہر گز اسے نہ جانو
یہ بات قیمتی ہے، تم دل سے اس کو مانو

بچنا غرور سے تم، بے حد بُری بلا ہے
مغرور جو بشر ہے، اس کی بڑی سزا ہے

چھٹی قسط

بچاؤ

بچّوں کے مقبول مصنّف اشتیاق احمد کے قلم سے

فاروق، فرزانہ اور محمود تینوں گھر میں اکیلے تھے۔ انسپکٹر جمشید اور ان کی بیگم کسی عزیز کی شادی کی تقریب میں گئے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ رات کافی بھیگ چکی تھی۔ اچانک دستک پر دروازہ کھولا گیا تو ایک زخمی بریف کیس سمیت اندر چلا آیا۔ یہ پروفیسر عمران جاہ تھے جو انشارجہ سے کوئی خطرناک فارمولا لے کر فرار ہوئے تھے۔ دشمن بھی ان کے تعاقب میں گھر کے اندر آ پہنچا اور ایک طویل ذہنی اور جسمانی جنگ کا آغاز ہوا۔ تینوں بچّوں نے اپنی ذہانت سے مسلّح دشمن پر قابو پالیا تھا۔ سب انسپکٹر اکرام اور ان کے ساتھی بروقت وہاں پہنچے لیکن ابھی قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ آرمی کا ایک میجر اور چند سپاہی اس فارمولے کی تلاش میں وہاں آ پہنچے۔ یہ دشمن کی ایک اور گہری چال تھی۔ فرزانہ فارمولے سمیت غائب تھی۔ یہی ایک بات ان لوگوں کے حق میں جاتی تھی۔ نقلی میجر نے تشدّد کے ذریعے ان کی زبان کھُلوانے کی کوشش کی۔ فرزانہ کی چالاکی سے ایک بار پھر بازی ان کے حق میں پلٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید بھی آ گئے۔ سارا معاملہ سمجھنے کے بعد انہوں نے فوج کے کمانڈر انچیف کو فون کیا اور اصلی فوج کی گاڑیوں اور سخت پہرے میں کسی محفوظ مقام کی طرف روانہ ہوئے مگر راستے میں دشمن نے حملہ کر دیا اور فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور بموں کے دھماکوں سے گونج اُٹھی۔

(اب آپ آگے پڑھیے)

انسپکٹر جمشید فوراً سوراخ کے پاس آئے...... باہر دو ملٹری مین موجود تھے۔ "یہ تالا کھول دو، بھئی...... کہیں ہم اندر ہی بم کے دھماکے کا شکار نہ ہو جائیں۔"

"اوکے سر۔" ایک نے کہا اور ان سے چابی لے کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے باقاعدہ دو فوجوں میں مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔"

"ہاں سر...... مقابلے میں پوری ایک فوج موجود ہے...... اس نے سڑک بند کر رکھی ہے۔ دائیں بائیں چٹانیں ہیں نا...... ان پر پوزیشن لے رکھی ہے...... سڑک پر بڑے پتھر رکھ دیئے گئے ہیں۔"

"کیا ہم پیچھے بھی نہیں جا سکتے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی نہیں...... پیچھے بھی سڑک بلاک کر دی گئی ہے۔"

"وائرلیس پر مدد تو منگا سکتے ہیں؟"

"یہ کام کیپٹن سرور اب تک کر چکے ہوں گے۔ وہ آگے ہیں اور جوابی فائرنگ کرا رہے ہیں...... وہ بہت ماہر ہیں اس کام کے۔"

"ہوں!...... لیکن ہم بھی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔"

"ہمیں کیپٹن صاحب کی یہ ہدایات ہیں کہ گاڑی میں بیٹھے رہیں...... انہیں جونہی موقعہ ملا، سڑک صاف کرا کر آپ لوگوں کو نکال لے جائیں گے اور باقی لوگ لڑائی جاری رکھیں گے۔"

"اور اگر وہ سڑک نہ صاف کرا سکے تو؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس سوال کا بھلا میں کیا جواب دے سکتا ہوں سر!"

"آپ دروازے پر سے ہٹ جائیں...... ہم باہر جائیں گے۔"

"کیپٹن صاحب کی ہدایات یہ ہیں کہ آپ باہر نہ نکلیں۔"

"ہم لوگ کیپٹن کے ماتحت نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن سر! ہم تو ماتحت ہیں...... وہ ہم پر بگڑیں گے۔"

"ہوں! کوئی بات نہیں بگڑتے ہیں تو بگڑنے دیں۔" وہ بولے۔

"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... ہم دونوں کی نوکری کا سوال ہے۔"

"آپ کی نوکری کو کوئی خطرہ نہیں ہے...... ہاں اگر آپ نے رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو پھر خطرہ ہے۔"

"افسوس! ہم مجبور ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"کیپٹن کا حکم ماننے پر مجبور ہیں...... آپ کو گاڑی سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"تب پھر تم نے دروازہ کیوں کھول دیا تھا؟"

"دروازہ!...... ہم نے خیال کیا...... کہیں اندر دھواں نہ بھر آیا ہو اور آپ لوگوں کے دم نہ گھٹ جائیں۔"

"شکریہ!...... اب ہمارا یہاں ٹھہرنا خطرناک ہو گا...... بند گاڑی میں مارے گئے تو یہ پورے ملک کا نقصان ہو گا...... کیا آپ ملک کا مفاد نہیں چاہتے؟"

"ملک کے لئے تو جان حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ عین اسی وقت کیپٹن کی آواز گونجی، "دشمنوں کا صفایا کر دیا گیا ہے...... سڑک صاف کر دی گئی ہے...... اب ہم اپنی منزل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

وہ حیران رہ گئے۔ اس قدر جلد میدان صاف ہونے والی بات ان کی سمجھ میں نہ آسکی۔

"شاید دشمن بہت تھوڑے تھے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اسی وقت کیپٹن سرور ان تک پہنچ گیا۔

"دشمن صرف بیس تھے...... ہم نے چکر کاٹ کر ان کا صفایا کر دیا۔"

"بہت خوب! آپ واقعی بہت فٹ آدمی ہیں۔" اسی وقت گاڑی چلنے لگی۔

"ان بیس حملہ آوروں کی لاشوں کا کیا کیا گیا؟"

"ایک گاڑی میں لاد دی گئی ہیں۔"

"ٹھیک کیا...... کاش ان میں سے کوئی زندہ بھی بچ جاتا...... ہم کوئی بات تو پوچھ سکتے...... وہ لوگ کون ہیں...... کس نے انہیں بھیجا تھا؟"

"ہوں...... ہو سکتا ہے، کوئی ان میں سے زندہ بھی ہو...... جلدی میں ہم اس چیز کی چھان بین نہیں کر سکے۔"

"خیر...... اپنی منزل پر پہنچ کر کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

بیس منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک عمارت کے سامنے رکے...... یہاں بھی ہر طرف ملٹری ہی ملٹری تھی۔ انہیں زبردست پہرے میں عمارت کے اندر پہنچایا گیا۔

"اس عمارت کو پہرے میں کب لیا گیا؟"

"آپ کی کمانڈر انچیف سے بات چیت کے فوراً بعد۔"

"ہوں! کیا اس سے پہلے یہ عمارت خالی تھی؟"

"جی نہیں...... اس میں ہمارے خاص فوجی رہتے ہیں...... جن کی حفاظت حد درجے ضروری ہوتی ہے۔"

"فوجیوں کی اپنی حفاظت"؟ انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"آپ سمجھے نہیں...... مطلب یہ کہ آرام کی حالت میں...... وہ لوگ آرام کرنے کے لئے اس عمارت کو استعمال کرتے ہیں۔"

"اب میں سمجھ گیا۔" وہ مسکرائے۔

"عمارت میں ہم لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں رہے گا...... کوئی نہیں آئے گا...... جب تک کہ میں اجازت نہ دوں' اور ہاں ;میں کمانڈر انچیف صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ "

"فون کرنے اور وائرلیس پر بات کرنے کے تمام انتظامات یہاں ہیں...... میں ابھی ان سے رابطہ کرتا ہوں۔ " کیپٹن سرور نے کہا۔ یہ کہہ کر وہ وائرلیس سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا۔

"لیس سر...... انسپکٹر جمشید فوری طور پر آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں...... یہ معاملہ ملکی سطح کا ہی نہیں بلکہ شاید پوری دنیا کی سطح کا ہے۔ "

"اچھی بات ہے...... میں ابھی آتا ہوں۔ "

وائرلیس سیٹ آف کر کے وہ ان کی طرف مڑا۔

"میں باہر کے انتظامات کا جائزہ لے لوں پھر جنرل صاحب کے ساتھ آؤں گا۔ "

"ٹھیک ہے۔ " انہوں نے سر ہلایا۔

اس کے باہر جانے کے بعد انسپکٹر جمشید ان کی طرف بڑھے۔

"اپنی چیزوں کو یہاں ترتیب سے لگالیں...... ہمیں بہر حال یہاں چوبیس گھنٹے گزارنے ہیں...... یہ چوبیس گھنٹے بہت طوفانی قسم کے ہوں گے۔ "

"لیکن ابا جان...... کیا آپ تمام کاموں سے

"بالکل ٹھیک...... یہ بہت ضروری ہے۔ "

انہوں نے بہت باریک بینی سے پوری عمارت کا جائزہ لیا...... بیرونی حصوں کو بھی دیکھا۔ چھت پر بھی گئے۔ کہیں کوئی بات غلط نظر نہ آئی، لیکن فرزانہ نے ایک گلدان کی طرف توجہ دلائی۔

"ہم نے اس گلدان کو چیک نہیں کیا۔ "

"اس میں مصنوعی پھول ہیں۔ " فاروق نے کہا۔

محمود نے گلدان سے پھول نکال لئے۔ اب جو اس کو الٹا تو اس میں سے سیاہ رنگ کی ایک مستطیل سی ڈبیا نکلی...... وہ اس کو دیکھ کر چونک اٹھے۔

"ارے باپ رے...... اگر یہ ہمیں نظر نہ آجاتی تو سارا کھیل خراب ہو گیا تھا۔ "

"اس کا مطلب ہے...... ہماری یہاں آمد سے پہلے ہی انتظامات کئے جا چکے ہیں۔ اس آلے کی موجودگی میں اندر جو باتیں بھی ہوتیں، باہر کہیں وہ سن لی جاتیں۔ "

"جی ہاں...... اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں"۔

"لیکن ہم اور جا بھی کہاں سکتے ہیں...... دارالحکومت میں اس سے زیادہ محفوظ عمارت کوئی نہیں...... یہ بم پروف ہے...... اندرونی طور پر ساؤنڈ پروف ہے...... اور بھی بے شمار حفاظتی انتظامات اس میں کئے گئے ہیں...... سب سے زیادہ یہ کہ اگر

بَرِّاعظم ایشیا

○ ...... ہمارا ملک پاکستان، براعظم ایشیا میں واقع ہے۔

○ ...... براعظم ایشیا کا کل رقبہ ایک کروڑ ستّر لاکھ مربع میل ہے۔ یہ رقبے میں براعظم یورپ سے چار گنا اور براعظم افریقہ سے ڈیڑھ گنا بڑا ہے۔

○ ...... براعظم ایشیا ہی میں سطح مرتفع پامیر واقع ہے۔ جسے دنیا کی چھت کہا جاتا ہے۔

○ ...... خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی ؐ کی موجودگی کا شرف بھی ایشیا کو حاصل ہے۔

○ ...... دنیا کی گہری ترین جھیل "بیکال" براعظم ایشیا میں ہے۔

○ ...... دنیا میں پہلا ایٹمی نشانہ بننے والا ایشیائی ملک جاپان ہے۔

○ ...... دنیا میں سب سے زیادہ پٹ سن پیدا کرنے والے ملک بنگلہ دیش کا تعلق بھی ایشیا سے ہے۔

○ ...... دنیا کی سب سے زیادہ آبادی کا شہر ٹوکیو (جاپان) اسی بَرّاعظم ایشیا میں واقع ہے۔

○ ...... دنیا کا سب سے گہرا سمندر "منڈناؤ" براعظم ایشیا میں واقع ہے۔ یہ سمندر فلپائن اور جاپان کے درمیان واقع ہے۔

(مرسلہ۔ راشد آدم، وندر)

"وہ کیسے؟" پروفیسر عمران جاه بولے۔
"یہ وقت آنے پر بتاؤں گا...... ابھی تو ہماری گفتگو ویسے ہی سنی جا رہی ہے...... محمود تم ذرا کیپٹن سرور کو پیغام دو...... وہ اندر آئیں۔"

"کون؟" محمود نے پوچھا۔
"کیپٹن سرور"۔ آواز آئی۔ محمود نے دروازہ کھول دیا۔
"ہم سے پہلے اندر کون لوگ تھے؟ باہر دروازے پر کون کون تھا...... یہ اطلاعات ہمیں کون دے سکے گا؟"
"میجر جنرل شبّیر کے چارج میں ہے یہ عمارت...... وہی بتا سکیں گے۔"
"کیا کمانڈر ران چیف کے ساتھ وہ بھی آ سکتے ہیں؟"
"میں پیغام بھیج دیتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا۔
"کیا کوئی گڑبڑ ہے سر!"
"ہاں بہت خوف ناک گڑبڑ...... دشمن کو پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم کہاں جائیں گے...... لہٰذا اس نے یہاں اپنا جال بچھا دیا ہے۔"
"نن...... نہیں"۔ کیپٹن سرور اُچھل پڑا۔
"شہر کی سب سے محفوظ عمارت بھی ہمارے لئے محفوظ نہیں رہی۔" وہ بڑبڑائے۔
"اُف مالک!...... آخر یہاں کیا گڑبڑ ہے؟"
"کمانڈر صاحب اور میجر جنرل صاحب آئیں...... پھر بتاؤں گا۔" انہوں نے کہا۔
پندرہ منٹ بعد کیپٹن ان دونوں کو ساتھ لئے

ہے...... حالات کچھ زیادہ ہی سنگین ہیں ورنہ آپ ہرگز ہمیں یہاں نہ بُلاتے۔ ''

''وعلیکم السّلام، جی ہاں! پہلی بات تو آپ یہ سُن لیں کہ انشارجہ نے پروفیسر عمران جاہ کو ہلاک کرنے کے لئے انشارجہ کے زلزلے کو بھیجا ہے۔ ''

''کسے بھیجا ہے؟'' دونوں ایک ساتھ بولے۔

''انشارجہ کے زلزلے کو''۔

''اوہ نن...... نہیں نہیں۔'' میجر جنرل شبّیر نے چلاّ کر کہا۔ ان کی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔

''اور دوسری بات...... اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم اس عمارت کو اپنا ٹھکانہ بنائیں گے۔ ''

''نہیں''۔ وہ چلاّئے۔

''اور اس کا ثبوت یہ رہا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے وہ سیاہ ڈبیا ان کے سامنے کر دی۔ اس کو دیکھ کر تو ان کے رنگ فق ہو گئے۔

''اُف مالک...... یہ سب ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔'' کمانڈر صاحب نے کانپتی آواز میں کہا۔

''صاف ظاہر ہے...... دشمن ہم سے بہت قریب موجود ہیں...... اور ان کے ہاتھ اس قدر لمبے ہیں کہ ہماری آمد سے پہلے ہی یہ چیز یہاں رکھ دی گئی...... ان حالات میں میں حد درجے خطرہ محسوس کر رہا ہوں...... پروفیسر صاحب جو چیز بھی اُڑا کر لائے ہیں...... ہم اس کی نقل بھی تیار نہیں کر سکتے...... اگر یہ ممکن ہوتا تو پروفیسر عمران جاہ خود پہلا کام یہی کرتے...... میں غلط تو نہیں کہہ رہا سر؟'' انہوں نے آخری الفاظ کہتے وقت پروفیسر صاحب کی طرف دیکھا۔

''بالکل ٹھیک...... اس کی نقل تیار نہیں کی جا سکتی...... انشارجہ نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا ہے۔ ''

لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

احسان دانش مرحوم تقریبات وغیرہ کے معاملے میں بہت مُحتاط تھے۔ اس لئے جس مشاعرے میں نہ جانا ہو، کہتے کہ معذرت چاہتا ہوں اس روز تو مجھے شیخوپورہ جانا ہے۔ احسان دانش مرحوم کا یہ شیخوپورہ بہت مشہور ہو گیا۔ ایک روز ایک تقریب کے مُنتظمین اُن کے پاس آئے۔ احسان دانش مرحوم نے ان کا استقبال روایتی تپاک سے کیا اور کہا کہ آپ فرمائیں اور میں نہ حاضر ہوں یہ کس طرح ممکن ہے۔ بس آپ تاریخ بتا دیں۔

منتظمین نے تاریخ بتائی تو احسان دانش مرحوم نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا کہ میں ضرور حاضر ہوتا مگر میں اس تاریخ کو شیخوپورہ جا رہا ہوں۔

اس پر منتظمین نے گرمجوشی سے احسان دانش مرحوم سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ ''یہ تو اچھی بات ہے کیونکہ مشاعرہ بھی شیخوپورہ میں ہی ہو رہا ہے۔ ''

مرسلہ...... احسان علی نقوی۔ نارتھ کراچی

"پھر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"پروفیسر عمران جاہ اس چیز کو سوائے صدر مملکت کے ہاتھوں میں دینے کے اور کسی کے حوالے کرنا پسند نہیں کرتے اور صدر صاحب کل سے پہلے مل نہیں سکتے...... لہٰذا ہمیں نہ صرف ان کی بلکہ اس چیز کی بھی حفاظت کرنی ہے۔"

"تو ہم اسی لئے تو یہاں موجود ہیں" ۔ میجر جنرل شبیر نے کہا۔

لیکن یہاں سے یہ بھی تو بر آمد ہوا ہے؟" انہوں نے سیاہ آلے کی طرف اشارہ کیا۔

"گویا آپ چاہتے ہیں...... سب سے پہلے ہمیں اس آدمی کا سراغ لگانا ہے جس کے پاس اس آلے کا دوسرا حصہ موجود ہے اور جس پر وہ یہاں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سننے والا تھا۔"

"ہاں یہی بات ہے۔"

"اس کا سراغ آپ لگائیں گے یا ہم؟" کمانڈر صاحب بولے۔

"آپ لوگ لگائیں...... میں فی الحال عمارت سے باہر نہیں نکل سکتا...... اور ہاں مجھے کچھ چیزوں کی ضرورت ہے...... وہ چیزیں میں صرف اپنے گھر سے منگوا سکتا ہوں۔ لہٰذا میرے اسسٹنٹ سب انسپکٹر اکرام کو فوجی گاڑی میں بھیجا جائے...... یہ چیزیں وہاں سے لائیں گے۔"

"ٹھیک ہے...... یہ ہمارے ساتھ آئیں۔"

وہ اکرام کو لئے ہوئے باہر جانے کے لئے مڑے ہی تھے کہ میجر جنرل شبیر صاحب تڑ سے گرے۔

(پھر کیا ہوا، آئندہ شمارے میں پڑھئے)

بچوں کے مشہور و معروف مصنف

اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے بھرپور ناول

۵۳۳ — خونیں ڈراما — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۰ روپے
۵۳۴ — فراڈ — " — ۱۰ "
۵۳۵ — شاہزادے کا اغوا — " — ۱۰ "
۵۳۶ — عیار — " — ۱۰ "
۵۳۷ — خزانہ ملتا ہے — نئی نسل - نیا ادب — ۱۵/- "
۱۹ — قانونی سازش — " — ۱۵/- "
۲۱ — سفید خون — انسپکٹر جمشید سیریز — ۱۰ "
۲۳ — مصنوعی — " — ۱۰ "
۱۰ — برف کی روشنی — انسپکٹر کامران مرزا سیریز — ۱۰ "
۱۱ — چھپا مجرم — شوکی سیریز — ۱۰ "

۲۰ جولائی ۱۹۹۳ء

کو آپ کے شہر میں ہر بڑے بکسٹال پر دستیاب

یا

پھر براہِ راست خط لکھ کر ادارے سے بذریعہ وی پی منگوائیں

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں لاہور، — فون ۳۲۱۵۳۷

تحفہ

ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ کو ان کی کنیز نے پھول پیش کیا۔ آپؓ نے اسے سونگھا اور کہا۔ ''اے کنیز، جا آج میں نے تجھے آزاد کیا۔'' اس وقت حضرت انس بن مالکؓ بھی آپؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ ''آپؓ نے اس کنیز کو خریدتے وقت کافی رقم خرچ کی ہوگی اور صرف ایک پھول کے بدلے آزاد کر دیا؟'' آپؓ نے فرمایا ''میرے نانا کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمہیں تحفہ دے، اسے اس سے بہتر تحفہ دو ورنہ اس کا تحفہ واپس لوٹا دو چنانچہ میں نے اس کنیز کو اس تحفہ سے بڑھ کر تحفہ دیا۔ ایک کنیز کے لئے آزادی سے بڑا کوئی تحفہ نہیں۔''

مرسلہ: سائرہ عبدالغفور، کراچی۔

بجلی کی کہانی

نمیر خالد، کراچی

انسانی ذہن کی ایجادات بلب، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، پنکھا، ریڈیو اور بہت سی دوسری چیزیں ہیں لیکن ساتھیو! کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ ان کو چلانے والی چیز کیا ہے؟ جی ہاں یہ بجلی ہے جس کے بغیر ہمارے ہزاروں کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔

بجلی کا نام آج سے سو سال پہلے تک کوئی نہیں جانتا تھا لیکن یہ آج ہر گھر کی ضرورت بن چکی ہے۔ بجلی کوئی مادّی شے نہیں بلکہ یہ حرارت کی طرح قوّت یا اثر کا نام ہے۔ اس کا نام ایک یونانی لفظ سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی "عنبر" کے ہیں۔ یونانیوں کو معلوم تھا کہ عنبر" کو رگڑا جائے تو ہلکی چیزیں مثلاً تنکے اور بھوسا اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔

آہستہ آہستہ سائنس دانوں نے مزید مشاہدات و تجربات کئے تو بجلی کے متعلق علم میں اضافہ ہوا۔ گزشتہ سو سال کے دوران میں یہ معلوم ہوا کہ وہ تمام اشیا جنہیں ہم ٹھوس جانتے ہیں، دراصل ٹھوس نہیں ہیں۔ انہیں ایسے چھوٹے چھوٹے ذرّات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ صرف مثبت اور منفی بجلی کے طریقے ہیں۔ جس مادّے میں یہ ذخیرے کثرت سے ہوں، اس میں سے بجلی آسانی سے گزر سکتی ہے۔ تانبا بجلی کے گزرنے کے لئے بہترین موصل ہے۔ اسی لئے بجلی کے عام تار تانبے کے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ربر، لکڑی اور چینی مٹّی جیسے مادّے بجلی گزارنے کے لئے اتنے کمزور ہیں کہ ان کا استعمال بطور بجلی کے روکنے کے آلات میں ہوتا ہے۔ ربر کے تلوے والے جوتے پہن کر اگر بجلی کے تار پر کھڑے ہو جائیں تو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں سے کرنٹ نہیں گزر سکتا۔

بجلی کی رو دو طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ رگڑ سے اور کیمیائی عمل سے۔ اگر شیشے کی سلاخ کو ریشم کے کپڑے پر رگڑ کر کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے نزدیک لے جایا جائے تو ٹکڑے اس سلاخ سے چمٹ جائیں گے۔ اسی طرح گھاس کے تنکے بھی چمٹ جاتے ہیں پھر گر پڑتے ہیں۔ اس رگڑ سے شیشے کی سلاخ میں بجلی کی ہلکی سی رو پیدا ہو جاتی ہے۔

برسات کے موسم میں جب آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہوں تو کبھی کبھی بجلی کوندتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آسمانی بجلی اور رگڑ سے پیدا ہونے والی بجلی دونوں ایک ہی ہیں۔ آبی بخارات میں بجلی

ہوتی ہے۔ برسات میں چونکہ فضا میں آبی بخارات زیادہ ہوتے ہیں اسی لئے بجلی زیادہ جمع ہو جاتی ہے۔ بادلوں میں منفی اور مثبت دونوں قسم کی بجلیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کو تیزی سے اپنی طرف کھینچتی ہیں چونکہ یہ کشش کا عمل تیزی سے ہوتا ہے اس لئے بادلوں کے درمیان کی ہوا کو رگڑ لگتی ہے اور وہ دبتی ہے۔ رگڑ سے اس میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور حرارت کی تیزی سے چمک۔ جسے ہم بجلی کا کوندنا کہتے ہیں۔

بجلی گھروں میں جنریٹروں کے ذریعے وسیع پیمانے پر بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ بعض مقامات پر اس سلسلے میں پانی کی تیز روانی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ پانی بجلی پیدا کرنے والی مشین (جنریٹر) کو چلاتا ہے۔

ساتھیو! بجلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے اگر ہم اس کا استعمال ضرورت کے تحت کریں اور فالتو ضائع نہ کریں تو ملک کو فائدہ بھی ہو گا، بل بھی کم آئے گا اور امی سے ڈانٹ بھی نہیں پڑے گی۔ اس لئے بجلی کو احتیاط سے خرچ کریں......!!!

احسان کی توبہ

مجیب الرحمٰن، ٹنڈو محمد خان

احمد کا دودھ کا کاروبار تھا۔ وہ ایک محنتی اور ایماندار شخص تھا لیکن اس کا بیٹا احسان کام چور اور جھوٹا تھا۔

ایک دن احسان نے اپنے والد سے کہا کہ وہ دودھ بیچنے خود جائے گا۔ احمد خوش ہوا کہ بیٹا جی کو کام کا خیال تو آیا چنانچہ اس نے دودھ کا برتن دے کر اسے دودھ فروخت کرنے بھیج دیا۔

احسان نے دودھ بیچنے کے بعد تمام پیسے اپنی جیب میں رکھے اور باپ کے سامنے جا کر جھُوٹ مُوٹ رونے لگا اور کہنے لگا۔

"ابا! میں دودھ بیچ کر آرہا تھا۔ راستے ڈاکوؤں نے مجھ سے سارا پیسہ لُوٹ لیا"۔

سادہ لوح باپ اس کے جھُوٹ کو سچ سمجھا۔ تسلّی دیتے ہوئے بولا:

"کوئی بات نہیں بیٹا! پیسہ تو آنی جانی شے ہے۔ تم زندہ سلامت گھر آگئے، ہمارے لئے

یہی کافی ہے"۔

شام ہوئی تو احسان بازار کی طرف نکل گیا اور اس نے تمام پیسے کھانے پینے میں خرچ کر دیئے۔ رات جب وہ سونے لیٹا تو اسے بدہضمی کی وجہ سے اُلٹیاں آنے لگیں اور وہ بالکل نڈھال نظر آنے لگا۔ اس کے ماں باپ اسے فوراً ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے اسے ہسپتال میں داخل کرنے کے بعد دوا وغیرہ دی جس سے اس کی طبیعت کچھ سنبھلی۔ احسان نے دیکھا کہ اس کی بیماری کی وجہ سے اس کے ماں باپ بے حد پریشان اور فکر مند ہیں۔

احسان ماں باپ کی محبّت اور اپنی غلط روش کو دیکھ کر بے حد شرمندہ ہوا۔ اس نے اپنے امّی ابّو سے اپنی غلط حرکت کی معافی مانگ لی اور توبہ کی کہ آئندہ کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔

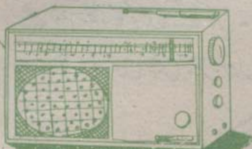

ریڈیو

نور حسین مری

انسان نے پرندوں کی طرح اُڑنا چاہا تو ہوائی جہاز بنایا، مچھلی کی طرح تیرنا چاہا تو کشتیاں بنائیں اور گھومنے پھرنے کے لئے گاڑیاں، ریلیں اور ہوائی جہاز بنائے۔ اس نے دُور دراز کے لوگوں سے باتیں کرنے کے لئے ٹیلی فون ایجاد کیا اور جب خبریں، غزلیں، گیت سُننے چاہے تو ریڈیو ایجاد کیا۔

پہلے زمانے کے ریڈیو بہت بڑے ہوتے تھے۔ آہستہ آہستہ سائنس نے ترقی کی اور ریڈیو سے ٹیلی ویژن بنا۔ جہاں ٹیلی ویژن نہ تھے وہاں ریڈیو تھے۔ اب بھی کہیں کہیں ٹیلی ویژن نہیں۔ وہاں پر ریڈیو استعمال کئے جاتے ہیں۔

بڑے ریڈیو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں لے جایا جا سکتا کیوں کہ ریڈیو گر جانے اور ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ اب ایسے ریڈیو بن گئے ہیں جنھیں جیب میں بآسانی رکھا جا سکتا ہے۔

ریڈیو سے ہم ہزاروں میل دور کی خبریں غزلیں اور معلومات وغیرہ سُن لیتے ہیں۔ یہ آوازیں ریڈیو اسٹیشنوں سے آتی ہیں۔ پاکستان میں کئی ریڈیو اسٹیشن ہیں جہاں سے مختلف پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بڑوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کے لئے الگ الگ پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلے جب ریڈیو بنا تو لوگوں نے کہا کہ "بھئی ایک ڈبّہ کیسے بول سکتا ہے؟" جو یہ کہتا اس کو پاگل کے نام سے پکارا جاتا لیکن ریڈیو سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے کہ یہ تو واقعی سچ مچ انسانوں کی طرح ہنستا بولتا، روتا اور گاتا ہے۔

"کیوں بھئی! آپ کو کیسا لگا ہمارا ریڈیو؟؟"

تقلید

حسیب احمد، رحیم یار خان

جمعہ کا دن تھا۔ عمران اپنے کمرے میں بیٹھا اسکول کی طرف سے دیا گیا کام مکمل کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ ابّو کے کوئی دوست تھے۔ عمران نے گھر میں آکر ابو کو بتایا تو ابّو آہستگی سے بولے "انہیں منع کر دو۔ کہہ دو ابو گھر پر نہیں ہیں"۔ "لیکن آپ"؟ ...... "ارے! جو میں کہہ رہا ہوں، وہی کرو!!" ابّو جُھنجھلا کر بولے تو عمران نے ابّو کا جواب ان کے دوست کے سامنے دہرا دیا۔ ابّو کے دوست چلے گئے تو عمران اسکول کا دیا گیا کام مکمل کرنے لگا۔

دروازے پر کچھ دیر بعد پھر دستک ہوئی۔ اس بار گُڑیا نے دروازہ کھولا۔ پھر وہ دروازہ بھیڑ کر عمران کے پاس آئی۔

"بھائی جان! آپ کا دوست طلحہ آیا ہے"۔

"اوہو! اس وقت میں پڑھ رہا ہوں"۔ عمران نے جُھنجھلا کر کہا۔ اس وقت وہ طلحہ سے ملنا نہیں چاہ رہا تھا۔

"گڑیا ایسا کرو، طلحہ سے کہہ دو کہ بھائی گھر پر نہیں"۔

"لیکن آپ تو گھر میں موجود ہیں"۔ گڑیا حیرت سے بولی۔ "جیسا میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو۔" عمران نے جُھنجھلا کر کہا اور پھر گڑیا نے طلحہ کو منع کر دیا کہ بھائی گھر پر نہیں ہے۔ طلحہ چلا گیا تو عمران نے چُپکے سے ابّو کی طرف دیکھا جنھوں نے اسے طلحہ سے بچنے کا گُر سکھا دیا تھا......!!!

ماں

مرسلہ: الطاف مجاہد میمن

○ بادل نے کہا "ماں ایک ایسی دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔"

○ شاعر نے کہا "ماں ایک ایسا نغمہ ہے جو سننے والے کے دل میں اُتر جاتا ہے۔"

○ خوشبو نے کہا "ماں کی دُعا صحرا کو گلزار بنا دیتی ہے۔

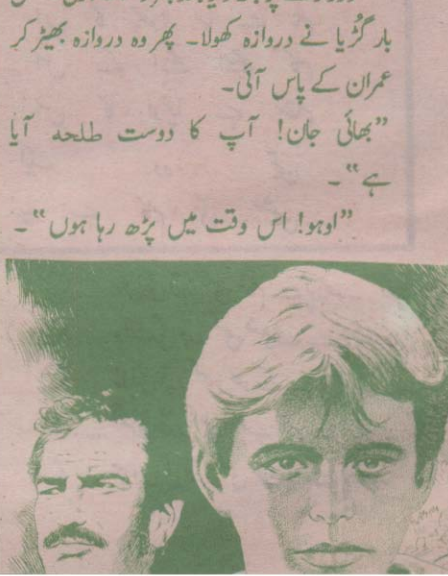

کمپیوٹر

ایک دو تین
یہ ہے کام کی مشین

ہے یہ پرزوں کی کتاب
خود ہی کرتی ہے حساب
پل میں دیتی ہے جواب
اس سے پوچھو تو جو بات
سارے کہہ دے گی حالات
تم سے کھائی گی نہ مات
اس کا چھوٹا سا ہے نام
اس کے اچھے اچھے کام
اس کا اونچا ہے مُقام
ایک دو تین
یہ ہے کام کی مشین

مرسلہ: محمد عظیم قریشی، اسلام آباد

کرنیں

- ...... ماں کی قدر کسی یتیم سے پوچھو۔
- ...... وقت کی قدر کسی ضعیف سے پوچھو۔
- ...... غذا کی قدر کسی بھوکے سے پوچھو۔
- ...... قلم کی قدر کسی طالب علم سے پوچھو۔
- ...... پیسوں کی قدر کسی غریب سے پوچھو۔

مرسلہ: آصف اقبال

ایک واقعہ جو یاد رہے گا

عائشہ ریاض، اسلام آباد

ایک روز میں اور میرے پاپا میرے بھائی کو اسکول سے لینے جا رہے تھے۔ ابھی گاڑی نے موڑ کاٹا ہی تھی کہ اچانک ہماری گاڑی کے سامنے ایک ٹیکسی آگئی اور ہماری گاڑی سے ٹکرا گئی۔ کچھ غلطی میرے پاپا کی تھی مگر زیادہ غلطی ٹیکسی والے کی تھی۔ میرے پاپا نے گاڑی کی بریک پورے زور سے لگائی اور یکدم ہماری گاڑی رک گئی، لیکن ٹیکسی والے سے ٹیکسی نہ رک سکی لہٰذا ہماری گاڑی سے ٹکرا گئی۔ ہماری گاڑی کا بونٹ ٹیڑھا ہو گیا اور ٹیکسی والے کا بمپر ٹوٹ گیا۔

اس کا زیادہ نقصان ہوا۔ وہ ٹیکسی والا بہت لڑاکا تھا۔ میرے پاپا نے اس سے کہا "کسی پولیس والے کو بلا لیتے ہیں۔" مگر وہ نہ مانا اور میرے پاپا سے لڑنے لگا اور کہنے لگا "میرے نقصان کے پیسے دو۔" وہ بہت بدتمیزی سے پیش آرہا تھا۔ یہ دیکھ کر میں رونے لگی۔ ایک آدمی نے مجھے چُپ کروایا۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ بہت سے لوگ تماشا دیکھنے لگے۔ آخر ایک سارجنٹ آیا۔ جس نے قانونی کارروائی کر کے معاملے کو رفع دفع کروا دیا۔ جب تک ہم گھر نہیں پہنچ گئے، سارا وقت میں ہر ٹیکسی کو وہی ٹیکسی سمجھتی رہی۔ رات کو خواب میں بھی مجھے وہی منظر نظر آتا رہا۔ اب بھی میں کسی ایکسڈنٹ کے بارے میں پڑھتی یا سُنتی ہوں تو مجھے وہی ایکسڈنٹ یاد آجاتا ہے، ٹیکسی والے کی بدتمیزی یاد آجاتی ہے اور میں اس واقعے کو یاد کر کے سہم جاتی ہوں۔ شاید یہ واقعہ میرے لاشعور میں بیٹھ گیا ہے۔

اقوالِ زرّیں

ملک طارق محمود اعوان

اندھا وہ ہے جو دل کا اندھا ہو۔

انسان حُسنِ سلوک کا غلام ہے۔

تجربہ بہترین اُستاد ہے۔

تمام چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے۔

بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے۔

سب سے بہترین دوست وہ ہے جو بُرے وقت میں کام آئے۔

ایک بھنگی عطاروں میں

خالد ہارون، ملیر کراچی

ایک بھنگی اتفاقاً عطاروں کے بازار میں چلا گیا۔ جونہی اس کے دماغ میں طرح طرح کے عطروں کی خوشبو پہنچی، غش کھا کر گر پڑا۔ عطر کی خوشبو نے اس کا دماغ چکرا دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مر گیا ہو۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے، اور ہوش میں لانے کی ترکیبیں کرنے لگے۔ کوئی اسے پنکھا جھلنے لگا، کوئی اس کے سر اور ہتھیلیوں کو سہلاتا تھا لیکن وہ کسی تدبیر سے ہوش میں نہ آیا۔ ایک شخص دوڑا دوڑا گیا اور اس کے بھائی کو اس کی بے ہوشی کی اطلاع دی۔ اس کا بھائی ساری حقیقت سمجھ گیا اور کہیں سے گندگی لی اور اسے اپنی آستین میں چھپا کر وہاں پہنچا۔ اور لوگوں سے کہا۔ "ہٹ جاؤ! اسے میں ہی ہوش میں لا سکتا ہوں۔" لوگ ہٹ گئے۔ اس نے گندگی نکالی اور اسے سونگھا دی۔ چونکہ بھنگی دن رات بدبو اور گندگی میں غرق رہتا تھا اس لئے بدبو اس کے دماغ میں بس گئی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی بھنگی کے دماغ میں بدبو پہنچی، وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا بھائی اس کو گھر لے گیا۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ خدا جانے اس کے بھائی کے پاس کون سی اکسیر تھی۔ جس سے وہ جھٹ ہوش میں آگیا۔ انہیں کیا خبر تھی کہ بھنگی کا دماغ بدبو کا عادی تھا۔ اس کے برعکس اس کا دماغ خوشبو کو برداشت نہ کر سکا اور بے ہوش ہو گیا۔

عطّار ...... عطر بیچنے والے۔

شیر

مرسلہ: شہزہ سفیان

- شیرِ خدا ـــــ حضرت علیؓ
- شیرِ میسور ـــــ ٹیپو سلطانؒ
- شیرِ اسلام ـــــ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

پیغام

مرسلہ: شازیہ سلیم کراچی

۱) صفائی نصف ایمان ہے۔

۲) گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو، اس کی خوشبو میں فرق نہیں آتا۔

۳) ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی۔

۴) ہیرا گھوڑا پر پڑا ہو تو بھی اس کی قیمت کم نہیں ہوتی۔

غریب ہی اچھا

زبیر عامر خان، فیصل آباد

جرمن لوک کہانی

ایک آدمی دولت کی خواہش پوری کرنے کے لئے ہالینڈ گیا۔ وہ ہالینڈ کے دارالحکومت ایمسٹرڈم پہنچا۔ اس شہر میں اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے اس نے ایک بہت عالی شان عمارت دیکھی۔ بہت دیر تک وہ عمارت کو دیکھتا اور سوچتا رہا کہ یہ کس شخص کا مکان ہے؟ کون خوش قسمت اس میں رہتا ہوگا؟ وہ کتنا مالدار ہوگا؟ ایک آدمی قریب سے گزر رہا تھا۔ مسافر نے اس آدمی سے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ تو اس آدمی نے کہا۔ ”کے نی ٹوورس ٹن“۔

ہالینڈ کی زبان میں اس کا مطلب ہے ”میں آپ کی بات نہیں سمجھا“ لیکن مُسافر یہ زبان نہیں جانتا تھا اس لئے اس نے سمجھا کہ یہ آدمی مالک مکان کا نام ”کے نی ٹوورس ٹن“ بتا رہا ہے۔

اس آدمی کی یہ خواہش اب اور بھی بڑھ گئی کہ وہ چھوٹی موٹی نوکری یا محنت مزدوری کرنے کے بجائے کوئی بڑا کام کرے، خوب کمائے اور بہت ساری دولت اکٹھی کرے۔ اس فکر میں اس نے اور زیادہ کوشش شروع کر دی۔ ایک دن وہ سمندر کے کنارے پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا جہاز گودی پر لگا ہوا ہے اور ہزاروں مزدور سامان اُتار رہے ہیں۔ مُسافر نے ایک آدمی سے پوچھا ”یہ جہاز کس کا ہے ؟“ جواب ملا۔ ”کے نی ٹوورس ٹن“ (میں آپ کی بات نہیں سمجھا) مُسافر نے پھر یہی سمجھا کہ یہ جہاز کے مالک کا نام ہے۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ ”کے نی ٹوورس ٹن“ کتنا بڑا رئیس ہے جو چیز دیکھو اسی کی ہے۔

کچھ دن بعد مُسافر نے ایک جنازہ دیکھا۔ جنازے میں ہزاروں آدمی شریک تھے۔ مُسافر سمجھ گیا کہ کوئی بڑا آدمی ہوگا۔ اس نے دوبارہ ایک آدمی سے پوچھا تو جواب ملا ”کے نی ٹوورس ٹن۔“

مُسافر کو بہت رنج ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ دیکھو کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو؟ اس کے پاس کتنی ہی دولت کیوں نہ ہو۔ ؟ ایک نہ ایک دن موت اسے گھیر لیتی ہے اور وہ موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ پھر مال و دولت اکٹھی کرنے کا کیا فائدہ؟ اب اس آدمی کو دیکھو، سارا مال و متاع چھوڑ کر

رخصت ہو گیا۔ میں خواہ مخواہ دولت کمانے کی فکر میں ملکوں ملکوں گھوم رہا ہوں اور مال دار بننے کی خواہش نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ نہیں اب میں لالچ نہیں کروں گا اور جو کام بھی کروں گا، پوری دیانتداری اور محنت سے کروں گا اور بس اتنا کماؤں گا کہ اپنے بال بچوں کا پیٹ بھر سکوں اور عزت سے رہ سکوں۔

محنت اور ایمان داری سے کما کر کھانے میں ہی زندگی مزے سے گزرتی ہے۔

بڑا گپ باز

بنتِ سعدیہ، کراچی

ایک شخص بڑا گپ باز تھا۔ ہر وقت اپنی بہادری کی جھوٹی داستانیں سناتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ قیامِ پاکستان کے بعد اپنی بھارت سے پاکستان ہجرت کے بارے میں بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

"دوستو! میں تمہیں کیا بتاؤں؟ کیسا خوفناک منظر تھا۔ ہماری ٹرین ایسی جگہ سے گزر رہی تھی جہاں دونوں طرف پہاڑ تھے۔ ٹرین پر سکھوں نے حملہ کر دیا۔ ٹرین رُک گئی تمام مسلمان ٹرین سے اُتر کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ میں بھی بھاگا۔ مگر دوستو! مجھے پانچ سکھوں نے دیکھ لیا۔ میں بھاگتا ہوا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ وہ پانچوں میرے پیچھے پیچھے آگئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ میں نے اپنی تلوار نکالی، انھوں نے اپنی اپنی کرپان۔ وہ پانچ میں اکیلا۔ مگر میں بھی کوئی بزدل نہیں تھا میں نے ان میں سے چار کو مار گرایا مگر پانچواں بڑا جی دار تھا، لڑتا رہا۔ آخر میں نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔ اس نے کرپان دوسرے ہاتھ میں پکڑ لی۔ میں نے دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ اس نے کرپان پیر سے پکڑ لی۔ میں نے پیر بھی کاٹ دیا اس نے دوسرے پیر سے پکڑ لی میں نے دوسرا پیر بھی کاٹ دیا۔ بس وہ سمجھ گیا کہ مجھ جیسے تیس مار خان سے لڑنا کوئی معمولی بات نہیں۔ جب یہ بات اس کے سمجھ میں آگئی تو وہ فوراً ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بولا سائیں! مجھے معاف کر دو۔"

پیارے بچّو

تمنا امروہوی

خوشی کے ساتھ تم اسکول جاؤ
توجّہ سے پڑھو اور گھر آؤ
فقط پڑھنے میں اپنا دل لگاؤ
کرو کوشش ہمیشہ فرسٹ آؤ
کتابوں کو رکھو تم صاف سُتھرا
کوئی دھبّہ نہ تم ان پر لگاؤ
نہ جھگڑو کھانے پینے پر کبھی تم
کھلائیں جو تمہیں امّی وہ کھاؤ
بڑوں کی تم ہمیشہ بات مانو
کہیں جو کچھ وہ تم سے، مان جاؤ
نہ گستاخی کرو اپنے بڑوں سے
کرو عزّت، ادب سے پیش آؤ
صفائی نصف ایماں ہے ہمارا
غلاظت سے ذرا خود کو بچاؤ
محبّت سے رہو سب بہن بھائی
نہ جھگڑو اور نہ ان کو ستاؤ
کریں سب لوگ تم پر فخر اک دن
تم اپنے آپ کو ایسا بناؤ

نصیحت

...... مصائب سے مت گھبراؤ کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔

...... عمدہ مکان کے شیدائی کو قبر کا گڑھا بھی یاد رکھنا چاہئے۔

...... پھول اور کانٹے انسان اپنی راہ میں خود بچھاتا ہے اور الزام دوسروں کو دیتا

...... قریب کے لوگ جسے چھوڑ دیتے ہیں دور کے لوگ اسے اپنا لیتے ہیں۔

...... کانچ کا ٹکڑا ٹوٹ کر تیز دھار والا چھرا بن جاتا ہے اور یہی کیفیت انسان کے ٹوٹے ہوئے دل کی ہوتی ہے۔

مرسلہ: جاوید اقبال

سیّد امتیاز علی تاج

محمد سفیان انصاری، کراچی

آپ کا نام سیّد امتیاز علی اور تاج تخلّص تھا آپ ۱۹۰۰ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سیّد ممتاز علی نے لاہور میں "دارالاشاعت" کے نام سے ایک علمی وادبی ادارہ قائم کیا اور "پھول" کے نام سے بچّوں کے لئے ایک جریدہ نکالا۔ امتیاز علی تاج کی والدۂ محترمہ محمدی بیگم نے خواتین کی اصلاح کے لئے ایک رسالہ "تہذیبِ نسواں" شائع کیا۔ سیّد امتیاز علی تاج نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے پاس کیا۔ ڈرامے کے فن سے آپ کو بچپن ہی سے خاص شوق تھا۔ آپ جدید دور کے معروف ڈرامہ نگاروں میں سے ایک تھے۔ آپ کا تحریر کردہ ڈرامہ "انار کلی" بہت مشہور ہے۔ آپ نے ریڈیو کے لئے بھی بہت سے ڈرامے لکھے، جن میں "چچا چھکّن" "ہیبت ناک افسانے" "قرطبہ کا قاضی" بہت مقبول ہوئے۔ آپ نے اُردو ڈراموں کو کئی جلدوں میں مرتّب کر کے اُردو ادب کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

سیّد امتیاز علی کی زیست کا خاتمہ بڑی دردناک صورت میں ہوا۔ ۱۸ اپریل ۱۹۷۰ء کو تیسرے پہر کچھ نامعلوم افراد نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ ۲۴ گھنٹے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء کو آپ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور ۲۰ اپریل کو انہیں مومن پورہ لاہور میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

کھلونا

جاوید عبدالکریم سحر

سبیتا نام پپیتا گلا
موٹی ٹانگیں چھوٹی آنکھیں
پھوڑا پہ گال پکوڑا ناک
سے سڑے ہونٹ سے بڑے کان
گندے کپڑے پھندے میں بال
گدّا پچکا بھدّا ہے جسم
ہتھوڑے ہاتھ چوڑے پنجے
اِنجن کا ریل دھن دھن ہے چال،
کھلونا واہ ہے بونا قد

گمنام مجاہد

فواد کریم، کراچی

رات کے ٹھیک ڈیڑھ بجے صابر ایک چٹان کے پیچھے سے نکلا اور بھارتی فوج کے اسلحہ کے ذخیرے کی طرف چل پڑا۔ وہ اس وقت بارہ مولا شہر سے کچھ باہر کی طرف تھا۔ وہ اس سے پہلے سرینگر میں رہتا تھا۔ جہاں اس کا سارا خاندان اور گھر بھارتی فوجیوں نے جلا دیا تھا۔ صابر نے کشمیری مجاہدین سے جنگ کی باقاعدہ تربیت حاصل کی ہوئی تھی اور ان سے مل کر وقتاً فوقتاً غاصبوں کو نقصان پہنچاتا رہتا تھا۔ گھر کو جلائے جانے کے واقعہ کے بعد وہ کسی کو بتائے بغیر سرینگر سے غائب ہو گیا اور بارہ مولا آگیا تھا۔ یہاں وہ چھپ کر قابض فوج پر حملے کرتا رہتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ اس وقت بھی وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلحے کا ایک ذخیرہ تباہ کرنے جا رہا تھا۔ نومبر کا مہینہ تھا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ وہ ایک گرم شال اوڑھے ہوئے تھا اور اسی شال کی نیچے اس نے اپنی کلاشن کوف اور چند دستی بم چھپا رکھے تھے۔ یہ اسلحہ اس نے ایک بھارتی فوجی کو مار کر چھینا تھا۔

اسے پہاڑوں میں بنے اسلحہ ڈپو کے باہر کھڑے پہریدار نظر آنے لگے تھے۔ اس نے اب محتاط ہو کر درختوں کی اوٹ میں چلنا شروع کر دیا۔ سب سے قریبی درخت تک پہنچ کر صابر نے ماحول کا جائزہ لیا۔ پہاڑ کے اندر تین منہ تھے جو تین مختلف اطراف میں کھلتے تھے۔ ہر منہ پر دو دو مستعد محافظ کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ صابر نے ایک پتھر اٹھایا اور پہریداروں سے کچھ دور تاریکی میں پھینک دیا۔ اس کی آواز سن کر دونوں محافظوں نے چونک کر ایک دوسرے سے کچھ بات کی۔ وہ محافظ بھی کچھ کم چالاک نہیں تھے۔ دونوں کے بجائے صرف ایک آواز کی سمت تاریکی میں گم ہو گیا۔ دوسرا محافظ تاریکی کی طرف دیکھنے لگا جہاں اس کا ساتھی گیا تھا۔ صابر نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دوسری طرف سے ایک چکر کاٹا اور اس کی پُشت پر پہنچ گیا۔ اس نے محافظ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے طاقتور ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر تیزی سے بھاگتے ہوئے فوجیوں کی نظروں سے بچ کر گولیوں کی ایک پٹی کے پیچھے پناہ لی اور ایک دستی بم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ غار میں تقریباً سو فوجی

تھے اور تمام اس کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ صابر نے ایک فوجی کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی اس کی ٹانگ میں لگی۔ باقی فوجیوں نے بوکھلا کر باہر کی طرف اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ صابر پیٹیوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا فوجیوں کی پشت پر پہنچ گیا اور ان پر فائر کھول دیا۔ فائرنگ کی آوازیں سن کر تمام محافظ بھی اندر آگئے۔ اب صابر کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا اس نے بم کی پن کھینچ کر نکالی اور بم اسلحہ کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ ایک زبردست دھماکے کے ساتھ بارود کا سارا ذخیرہ پھٹ گیا۔ غار میں جابجا انسانی جسم کے اعضا خون میں لتھڑے ہوئے بکھرے پڑے تھے جن میں اس ۱۷ سالہ گمنام مجاہد کے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

صابر کا مشن پورا ہو چکا تھا۔ نہ جانے ایسے کتنے گمنام مجاہد ہیں جنھوں نے صابر کی طرح آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کر دی ہیں اور کر رہے ہیں۔ اللہ کشمیر اور کشمیر کے مسلمانوں کو آزادی نصیب فرمائے۔ (آمین!)

کس کو کس میں شہرت حاصل ہوئی

محمد سلیم الماس، متحدہ عرب امارات

جہاد میں۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ
نعت منقبت میں۔ حضرت حسانؓ بن ثابت کو
عقل و سیاحت میں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو
بہادری میں۔ حضرت علیؓ اور محمد بن قاسمؒ کو
سخاوت میں۔ حاتم کو
سیاحت میں۔ ابنِ بطوطہ کو
ملک گیری میں۔ سکندرِ اعظم کو
موسیقی میں۔ تان سین کو
مُصوری میں۔ مانی کو
مُسکراہٹ میں۔ مونا لیزا کو
جہالت میں۔ ابو جہل کو
تکبر میں۔ فرعون کو

ہماری گڑیا

نعیم عزیز

کتنی سُندر کتنی پیاری
ننھی مُنی گڑیا ہماری
اب شادی کی ہے تیاری
مہکی مہکی ہے پھلواری
دُلہن رانی راج دُلاری
اس پر تن من دھن ہے واری
جوڑی ہے یہ کتنی پیاری
کتنی سُندر کتنی نیاری

جسے اللہ رکھے

مریم خالد، اسلام آباد

پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے کہ ایک بس میں پچاس آدمی سفر کر رہے تھے۔ وہ دہلی سے کلکتہ جا رہے تھے۔ راستے میں بارش شروع ہو گئی اور سخت طوفان آگیا۔ اچانک بجلی بس کے قریب گری۔ لوگ بہت خوفزدہ ہوئے۔ پھر دوسری اور پھر تیسری، اسی طرح چار پانچ بار بجلی بس کے قریب گری۔

بس میں سوار ایک آدمی نے کہا "آج کے دن کسی نے مرنا ہے اسی لئے بجلیاں گر رہی ہیں کہ وہ آدمی اس بجلی سے مرے۔"

دوسرے نے کہا "کیوں نہ بس کو کھڑا کر کے ہم میں سے کوئی سب کے لئے قربانی دے، ایک آدمی نیچے اُترے۔ جس نے مرنا ہو گا وہ مر جائے گا اور بقیہ اپنی منزل پر روانہ ہو جائیں گے۔" تمام لوگ رضامند ہو گئے۔ اس بس میں ایک بوڑھا بھی سفر کر رہا تھا۔ سب کی رضامندی کے بعد لوگ ایک ایک کر کے نیچے اُترنے لگے۔ آخر میں جب صرف وہ بوڑھا رہ گیا تو لوگوں نے کہا"

"بڑے میاں! کتنے مزے سے بیٹھے ہیں حالانکہ انہیں مرنا چاہئے۔"

یہ سُن کر بوڑھے آدمی نے کہا "میں معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ سب پریشان ہو رہے ہیں"

یہ کہہ کر بوڑھا نیچے اُتر گیا اور باقی سب لوگ بس میں چڑھ گئے۔ سب کے چڑھتے ہی بس پر بجلی گری اور بوڑھے کے سوا سب تباہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا

مرسلہ اظہر خان، کراچی

"جب کوئی شخص سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہوتا ہے۔"

ایک مرتبہ قیصرِ روم نے حضرت عمرؓ کو ایک شیشی بھیجی اور فرمائش کی کہ اس میں ایسی چیز بھر دیجئے جو دنیا میں سب کچھ ہو۔

حضرت عمر نے اس میں پانی بھر دیا۔ اور لکھا کہ "دنیا میں یہی سب کچھ ہے۔"

جلدی میاں

ظلِ ہما

ماں باپ کے وہ لاڈلے
جلدی میاں ہیں باؤلے

جلدی میں کرتے کام ہیں
اس واسطے بدنام ہیں

جلدی میں اُٹھ کر گر پڑے
ہر ایک سے اُلجھے لڑے

جلدی میں لُقمہ گرم سا
کھایا تو جھٹ منہ جل گیا

جلدی میں کی جب اِستری
پتلون ساری جل گئی

جلدی میں سر ٹکرا گیا
بھنّا گیا چکرا گیا

لے کر جوں ہی سالن چلے
ٹھوکر لگی دُھم سے گرے

سالن گرا خود بھی گرے
جلدی میاں کالو بنے

ماں باپ کے وہ لاڈلے
جلدی میاں ہیں باؤلے

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام ________

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں ________

رقم ________ بذریعہ ________

پتہ ________

____

فون نمبر ________

نورس
UQRA
شربت نورس
شربتِ نورس اِنتہائی کاوش ، جدید ترین مشینری کی مدد اور ماہرین
کی انتھک کوششوں کو یکجا کر کے سائنٹیفک اصولوں کے تحت تکمیل
کو پہنچتا ہے۔ نورس کا ذائقہ ہی اس کی خوبی نہیں بلکہ اس کا ایک
ایک گھونٹ مفرح اور صحت بخش ہے۔ اِسے دُودھ، آئسکریم، کسٹرڈ اور
قلفی میں اِستعمال کرنے سے لذّت دوبالا ہو جاتی ہے اور موسم برسات
میں تازہ لیموں کے ساتھ نورس فریش لائم موسم کے مُضر اثرات
سے محفوظ رکھتا ہے۔
نورس قومی مشروب
احمد فوڈ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی-112، نورس روڈ، سائٹ، کراچی 75700
فیکس: 021-2564570, 021-298195 ٹیلیکس: 21651 AHMED PK
فون نمبر: 296045 (5 لائنیں)

REGD. No. M-266 JULY 1993
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI